ماہنامہ

آنکھ مچولی

کراچی

ستمبر ۱۹۸۷ء

لاریب پرنٹنگ پریس کراچی فون: ۲۱۷۳۱۰-۲۱۷۷۴۰

ماہنامہ

آنکھ مچولی

کراچی

جلد نمبر — ۲
شمارہ نمبر — ۳
ستمبر — ۱۹۸۷ء
محرم الحرام ۱۴۰۸ء
قیمت : پانچ روپے
زرِ سالانہ کے لیے خصوصی بچت اسکیم کا صفحہ دیکھیے

سرپرست
ڈاکٹر ابواللیث صدیقی

مشاورت
مشفق خواجہ ، امجد اسلام امجد

قانونی مشیر (اعزازی)
خواجہ عدیل احمد ایڈووکیٹ

مدیر اعلیٰ
ظفر محمود شیخ

مدیر اعزازی
طاہر مسعود

ناظم اشتہارات
طارق ظفر ربنی

مدیر مسئول
تجمل حسین چشتی

مشیر ادارت
محمد سلیم مغل

خطاطی
رئیس الحسن ، عارف سعید

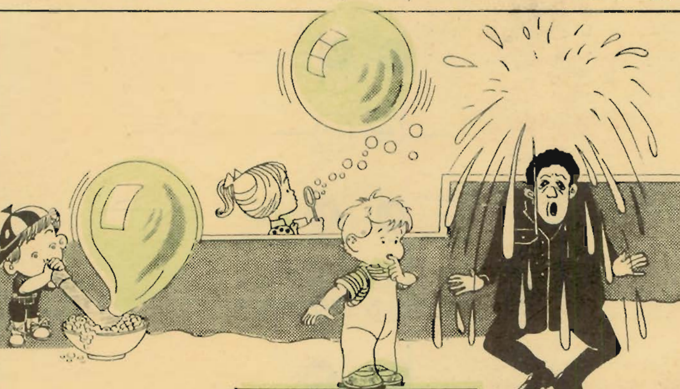

ماہنامہ آنکھ مچولی میں شائع ہونے والی تمام تحریروں کے جملہ حقوق بحق ادارہ محفوظ ہیں پیشگی اجازت کے بغیر کوئی تحریر شائع نہیں کی جا سکتی

ماہنامہ آنکھ مچولی میں شائع ہونے والی قرآن و حدیث پر مبنی تحریروں کے علاوہ کہانیوں کے کردار و واقعات فرضی ہیں کسی اتفاقیہ مماثلت کی صورت میں ادارہ ذمہ دار نہ ہوگا

گرین گائیڈ اکیڈمی
ادارہ اشاعت برائے تعلیم و تعمیر سیرت اطفال
زیر سرپرستی
ضمیر الدین میموریل آرگنائزیشن

ناشر : ظفر محمود شیخ ، طابع : زاہد علی ، مطبع : لاریب پرنٹنگ پریس ، ایم اے جناح روڈ ، کراچی
برائے خط و کتابت و مقام اشاعت : گرین گائیڈ اکیڈمی ۱۱۲ ڈی نورس روڈ سائٹ کراچی

حسنِ ترتیب

اداریہ — ۵

اچھی بات — حکایتِ سعدی — ۶

سلام — فراست رضوی — ۷

زادِ راہ — منتخب اقوال — ۹

ڈاک ڈاک کس کی ڈاک — ۱۰

ستمبر کا مہینہ — ۱۳

حضرت عمرؓ تاریخی واقعات کی روشنی میں — عارف انجم صدیقی — ۱۴

۶ ستمبر (نظم) — شوکت عابد — ۱۸

گڑیا (نظم) — محمد جاوید خالد — ۲۱

ہاتھ — شاہد جمیل — ۲۲

ہیرو — ابنِ شہباز خان — ۲۷

نذرِ قائدِ اعظم (نظم) — محمد امان اللہ خان دل — ۳۳

تلاش کیجئے — ذہنی ورزش — ۳۴

پینا (نیا سلسلے وار ناول) — عبدالعزیز عزمی — ۳۵

غرور کا سر نیچا (ڈرامہ) — پروفیسر عنایت علی خان — ۴۷

انکل آئی کیو روبوٹ — سائنسی سوال وجواب — ۵۳

کارٹون — ۵۶

گڑیا جمع کرنا (مشاغل کی کہانی) — عقیل عباس جعفری — ۵۷

جاسوس کی گرفتاری (حق اسکواڈ) — اخلاق احمد — ۶۳

دائرۂ معلومات — ام رباب جعفری — ۷۴

لذے دار لطیفے — منتخب لطائف — ۸۰

پاسبان (سلسلے وار ناول) — ایف ملک سلیم — ۸۳

لیمپ والی عورت (فلورنس نائٹ انگیل) — سید خورشید عالم — ۹۳

انجام (روپ بھیس بدلتا ہے) — عظیمہ سرور — ۹۷

دنیا کا سب سے چھوٹا آدمی (ایک تاریخی کہانی) — وجیہ احمد صدیقی — ۱۰۴

کارٹون اسٹوری کی انعام یافتہ کہانیاں — ۱۰۸

ننھے ہاتھ نئی تحریریں — نئے لکھنے والے — ۱۱۱

مقابلہ کارٹون کیپشن (نتائج) — ۱۱۵

آؤ ملائیں ہاتھ — قلمی دوستی — ۱۱۸

امی ابو کا صفحہ — ۱۲۳

اداریہ

جب یہ رسالہ آپ کے ہاتھوں میں ہوگا تو گلابی چھٹیاں ختم ہو چکی ہوں گی اور اسکول پھر سے کھل گئے ہوں گے۔ جب بہت دنوں کے بعد اسکول کھلیں تو کتنا اچھا لگتا ہے۔ کچھ لوگوں کا خیال ہے کہ ہمارے اسکولوں میں چھٹیاں بہت ہوتی ہیں۔ ممکن ہے کہ یہ چھٹیاں بھی آپ کو کم لگتی ہوں لیکن سچی بات تو یہ ہے کہ اگر فرصت کے دنوں کا استعمال آپ نے خوب اچھی طرح سے کیا ہو تو چھٹیوں میں کوئی مضائقہ نہیں۔ مثلاً اگر آپ نے اس عرصہ میں "آنکھ مچولی" کے علاوہ دیگر معلوماتی کتابیں پڑھی ہوں یا کوئی چھوٹا موٹا ہنر سیکھا ہو یا اپنے ابو کے ساتھ تاریخی اور تفریحی مقامات کی سیر کی ہو یا گھر کے کام کاج میں امی کا ہاتھ بٹایا ہو تو اس کا مطلب یہ ہے کہ آپ نے اپنی چھٹیاں ضائع نہیں کیں۔ یہی عمر زیادہ سے زیادہ سیکھنے اور جاننے کی ہے۔

اسی دوران ہمارے بہت سے ساتھیوں کے نتائج بھی آگئے۔ جنہوں نے محنت کی اور امتیازی نمبروں سے کامیاب ہوئے انہیں ہماری طرف سے دلی مبارکباد۔ خدا کرے وہ اگلے امتحانات میں اس سے زیادہ نمبروں سے کامیاب ہوں اور جو ساتھی بدقسمتی سے اچھے نمبر نہ لا سکے، اُنہیں مایوس نہیں ہونا چاہئیے۔ کیونکہ مایوسی کبھی کسی مسئلے کا حل نہیں ہوتی۔ ہمیں امید ہے کہ امتحان کی تیاری میں ان ساتھیوں سے اس بار جو کوتاہی سرزد ہوئی اسے وہ آئندہ دور کریں گے۔

تازہ شمارہ آپ کے ہاتھوں میں ہے۔ مقبول قسط وار کہانی "روپ بہروپ بدلتا ہے" کی آخری قسط یقیناً آپ کو پسند آئے گی۔ اس کی جگہ ہم ایک نیا ناول "پناہ" شروع کر رہے ہیں جو پچھلے ناولوں کی طرح دلچسپ اور مفید ہوگا۔ آنکھ مچولی کے کئی رنگ ہیں اور ہماری کوشش رہی ہے کہ اس کا ہر رنگ آپ کی آنکھوں کو بھلا لگے۔

آپ کا دوست طلعت محمود شیخ

اچھی بات

ایک نیک آدمی کا گذر ایک امیر آدمی کے گھر کے قریب سے ہوا۔ اُس نے دیکھا کہ امیر آدمی نے اپنے غلام کے ہاتھ پاؤں باندھ دیئے ہیں اور اسے بے تحاشہ پیٹ رہا ہے یہ دیکھ کر اس نیک آدمی نے امیر آدمی سے کہا خدا نے اس غلام کو اگر تیرے بس میں دیا ہے تو اس کا یہ مطلب نہیں کہ تو اس کا مالک بن گیا ہے جس طرح خدا ہمارا مالک ہے۔ تیرا فرض تو یہ ہے کہ اس فضیلت پر جو تجھے تیرے غلام پر حاصل ہے خدا کا شکر ادا کرے۔ تو اس پر اتنا ظلم نہ کر ہو سکتا ہے۔ قیامت کے دن تیرا یہ غلام تجھ سے اچھی حالت میں ہو

(حکایت سعدیؒ)

قرآنی آیات، احادیث مبارکہ اور مقدس نام آپ کے مطالعے اور معلومات کے لئے شائع کئے جاتے ہیں۔ ان کا احترام اور انہیں بے حرمتی سے بچانا آپ کا دینی فرض ہے۔۔ اگر کوئی ایسا کاغذ کہیں گرا ہوا نظر آجائے جس پر آیات، احادیث یا متبرک نام لکھے ہوتے ہوں تو آپ انہیں کسی محفوظ مقام پر رکھ دیں یا پاک، صاف پانی میں بہا دیں۔

سلام

سچائی کا چراغ جلایا حسینؑ نے
انسان کا ضمیر جگایا حسینؑ نے

سجدے میں اپنا سر جو کٹایا حسینؑ نے
اُمّت کی آبرو کو بچایا حسینؑ نے

وہ کربلا کی شام وہ خیمے جلے ہوئے
سب کچھ خدا کی راہ میں لٹایا حسینؑ نے

تنہا تھے پر یقین کی طاقت تھی اُنکے ساتھ
اُن لشکروں سے خوف نہ کھایا حسینؑ نے

پیاسوں نے باغِ دین کا سیراب کر دیا
یہ معجزہ جہاں کو دکھایا حسینؑ نے

مظلومیت کی ضرب سے اللہ کے لیے
ظلم و ستم کے قلعے کو ڈھایا حسینؑ نے

اپنے لہو سے کھینچ دی اِک فرق کی لکیر
کیا شر ہے کیا ہے خیر، بتایا حسینؑ نے

بھٹکے ہوئے زمانے کو اسلام کا پیام
اپنے عمل سے یاد دلایا حسینؑ نے

کیا کیا نہ غم اُٹھائے مگر اپنے صبر کو
دنیا میں اک مثال بنایا حسینؑ نے

وہ کربلا وہ پیاس وہ بچے وہ بے بسی
جب ذکر آگیا تو رُلایا حسینؑ نے

فراست رضوی

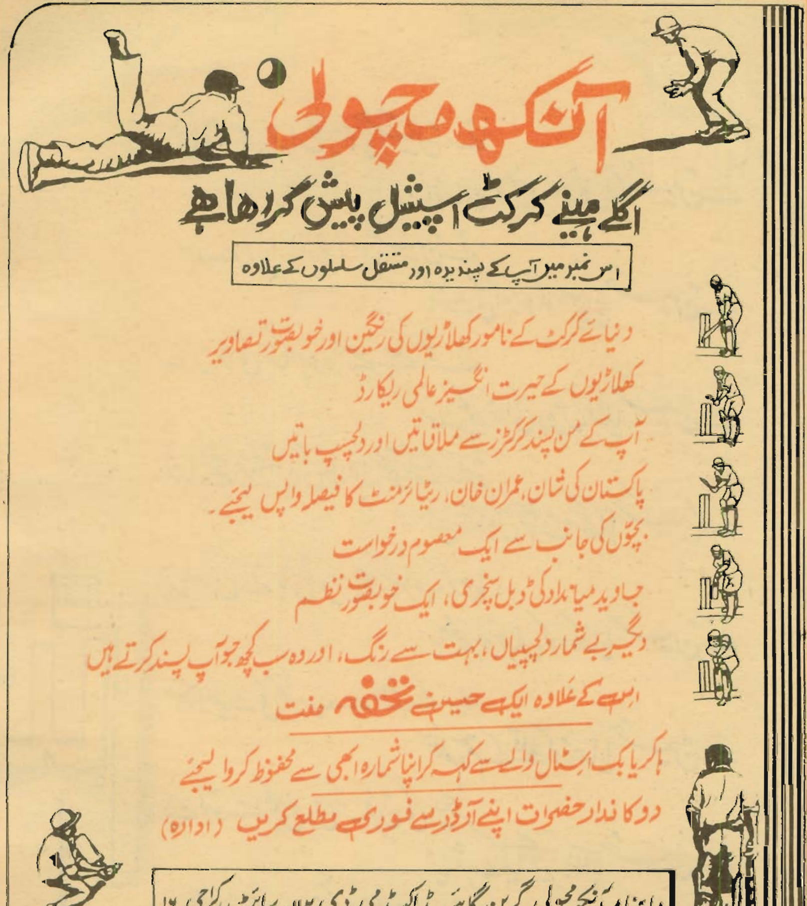
آنکھ مچولی
اگلے مہینے کرکٹ اسپیشل پیش کر رہا ہے
اس نمبر میں آپ کے پسندیدہ اور مستقل سلسلوں کے علاوہ
دنیائے کرکٹ کے نامور کھلاڑیوں کی رنگین اور خوبصورت تصاویر
کھلاڑیوں کے حیرت انگیز عالمی ریکارڈ
آپ کے من پسند کرکٹرز سے ملاقاتیں اور دلچسپ باتیں
پاکستان کی شان، عمران خان، ریٹائرمنٹ کا فیصلہ واپس لیجئے۔
بچوں کی جانب سے ایک معصوم درخواست
جاوید میانداد کی ڈبل سنچری، ایک خوبصورت نظم
دیگر بے شمار دلچسپیاں، بہت سے رنگ، اور وہ سب کچھ جو آپ پسند کرتے ہیں
اس کے علاوہ ایک حسین تحفہ مفت
ہاکر یا بک اسٹال والے سے کہہ کر اپنا شمارہ ابھی سے محفوظ کروا لیجئے
دوکاندار حضرات اپنے آرڈر سے فوری مطلع کریں (ادارہ)
ماہنامہ آنکھ مچولی۔ گرین گائیڈ اکیڈمی۔ ڈی ۱۱۲۔ سائٹ، کراچی ۱۶

زادِ راہ

منتخب اقوال

اللہ کی رسّی کو مضبوطی سے پکڑو اور آپس میں تفرقہ مت ڈالو۔ (القرآن)

تمام کاموں میں افضل کام علم کی طلب ہے، علم کی بزرگی عبادت کی بزرگی سے بڑھ کر ہے۔ علم کے حصول کے لئے ایک دوسرے پر سبقت حاصل کرو، گود سے لے کر لحد تک علم حاصل کرتے رہو۔ (احادیث رسولؐ)

حقیر سے حقیر پیشہ بھی کسی کے آگے ہاتھ پھیلانے سے بہتر ہے (حضرت عثمان غنیؓ)

اگرچہ دریا میں بے شمار فوائد ہیں، لیکن سلامتی صرف ساحل ہی پر ہے (شیخ سعدیؒ)

نوجوان دوستو! اب میں آپ ہی کو پاکستان کا حقیقی معمار سمجھتا ہوں اور دیکھ رہا ہوں کہ آپ اپنی باری پر تعمیر پاکستان کی خاطر کیا کچھ کر کے دکھاتے ہیں۔ (حضرت قائداعظمؒ)

خندہ پیشانی سے پیش آنا نیکی ہے۔ (حضرت داتا گنج بخشؒ)

اونچے پہاڑ پر چڑھنے کے لئے آہستہ آہستہ چڑھنا پڑتا ہے۔
(محمد علی جوہرؒ)

تجربہ مشکلات کا نچوڑ ہے۔ (سردار عبدالرب نشترؒ)

حیاتِ انسانی اُس شمع کی مانند ہے جو ہوا میں رکھی ہوئی ہو۔ (بطلیموس)

نمک کی مانگ اس لئے ہے کہ یہ غذا کو لذیذ بناتا ہے۔ اگر یہ اپنی خاصیّت کھو دے تو پھر کون اسے خریدے گا (ابنِ خلدون)

جن کے پاس دولت ہوتی ہے وہ سمجھتے ہیں عقل بھی انہی کے پاس ہے، حالانکہ ایسا نہیں۔
(سید مودودیؒ)

جو شخص تمہارے عیوب کو تم سے بیان کرتا ہے، وہ اس شخص سے لاکھ درجہ بہتر ہے جو تمہاری جھوٹی تعریف کرتا ہے (ابوالکلام آزادؒ)

ڈاک ڈاک کس کی ڈاک

محمّد فیصل، ٹنڈو الہ یار

گزشتہ شمارے کا سرورق اور کہانیاں وغیرہ آپ کو پسند آئیں، شکریہ، یہی ہماری محنت کا صلہ ہے، آپ کو جب رسالہ ملتا ہے تو آپ اسے فوراً ہی پڑھ ڈالتے ہیں اور پھر آپ کو اگلے شمارہ کا انتظار رہتا ہے۔ اس کا علاج یہ ہے کہ آپ اگلا شمارہ آنے تک موجودہ شمارہ کو ہی دوبارہ سہ بارہ پڑھ لیا کریں

سکندر علی، ملتان

آپ نے قلمی دوستی اور دائرہ معلومات کے بارے میں معلوم کیا ہے، آؤ ملائیں ہاتھ میں حصہ لینے کے لیے اپنی تصویر کے ساتھ کوپن پُر کر کے بھیج دیجیے باری آنے پر آپ کا تعارف شائع ہو جائے گا۔ دائرہ معلومات کے جوابات الگ کاغذ پر بھی لکھے جا سکتے ہیں لیکن اس کے ساتھ تازہ شمارہ میں چھپا ہوا دائرہ بھیجنا لازمی ہے۔

ثوبیہ صادق۔ سعودی عرب

آپ کو آنکھ مچولی بہت پسند ہے اور آپ اسے باقاعدگی سے پڑھتی ہیں۔ ہمیں یہ جان کر خوشی ہوئی۔ وقتاً فوقتاً اسی طرح حوصلہ افزائی کرتی رہا کریں۔ سالانہ خریدار بننے کے لیے ماہنامہ آنکھ مچولی ۱۱۲ ڈی نورس روڈ سائٹ کراچی کے پتہ پر مبلغ ۱۵۰/- روپے کا بینک ڈرافٹ یا پے آرڈر روانہ کر دیجئے رسالہ ایک سال تک آپ کو ملتا رہے گا اور ہاں اپنا پتہ لکھنا نہ بھولیے۔

محمّد خالد شہاب، لیاقت آباد، کراچی

آپ نے لکھا ہے کہ خدا کرے آنکھ مچولی چیلینجر سے زیادہ تیز رفتاری سے ترقی کرے (آمین) ہماری کوشش تو یہی ہے کہ بچّوں کے لیے بہتر سے بہتر کہانیاں، نظمیں اور دلچسپ معلوماتی مضامین چھاپے جائیں دائرے کے جوابات آپ الگ

کاغذ پر بھی بھیج سکتے ہیں لیکن دائرہ بھیجنا نہ بھولیے گا۔ امید ہے آنکھ مچولی کے ساتھ آپ کا قلمی تعاون جاری رہے گا۔

امجد علی شاہ، رحیم یار خان

لیجئے ہم آپ کی شکایت دور کر رہے ہیں، اب تو آپ ناراض نہیں ہیں نا... آپ کو ساری کہانیاں اور تحفے پسند آئے، اس کا شکریہ، آپ کا مضمون مل گیا ہے۔ آپ کو ابھی اور محنت کی ضرورت ہے، اگر آپ ہمیں مضمون یا کہانی وغیرہ بھیجنے سے پہلے اپنے استاد یا کسی اور بزرگ کو دکھا لیا کریں تو زیادہ بہتر رہے گا۔

سعیدہ فرحت، ملیر کالونی کراچی

آپ کو کہانیاں مامتا، پائیلٹ، وائٹ ڈبل لے بہت پسند آئیں بہت بہت شکریہ، باقی کہانیوں کے بارے میں کیا خیال ہے؟ "چھپا رستم" کے بارے میں آپ کی نشاندہی نوٹ کر لی گئی ہے۔

عدیلہ عقیل فاروقی، سکھر

آپ اس سے پہلے بھی کئی خطوط بھیج چکی ہیں اور اس بار بھی آپ نے ہمیں یاد رکھا۔ آنکھ مچولی کے ساتھ اس محبت اور دلچسپی کا شکریہ۔ آپ کی تجویز نوٹ کر لی گئی ہے۔

محمد ارشد الہدیٰ عادل، قصبہ کالونی کراچی

آپ نے یوم آزادی کی مبارکباد دی ہے بہت شکریہ، آپ کو بھی مبارک ہو، آزادی واقعی بہت بڑی نعمت ہے خدا ہمارے وطن کو ہمیشہ آزاد اور سلامت رکھے۔ آپ نے لکھا ہے کہ لاتعداد خطوط میں آپ کے خط پر کوئی توجہ نہیں دی جائے گی۔ کیوں بھئی، آپ سے ہماری کوئی دشمنی ہے کیا۔ آپ نے جواب پڑھ لیا، اب تو خوش ہیں؟

محمّد حسین، میکانگی روڈ کوئٹہ

آپ نے ہمیں کہانی بھیجی ہے اور ساتھ ہی یہ امید ظاہر کی ہے کہ "آپ کی کہانی کوئی نہ کوئی پوزیشن حاصل کرے گی"، بھائی آپ کی یہ خواہش ضرور پوری ہو سکتی ہے، لیکن اس کے لیے آپ کو محنت کرنی پڑے گی، آپ آنکھ مچولی تو پڑھتے ہی ہیں اگر آپ کو کہانیاں لکھنے کا شوق ہے تو آپ سب سے پہلے زبان پر توجّہ دیجیے، اور اس کے لیے اچھی اچھی کتابوں کا مطالعہ کیجئے اور لکھنے کی خوب مشق کیجیے۔ پھر آپ بھی اچھی اچھی کہانیاں لکھنے لگیں گے

فہیم الرحمٰن، چک لالہ راولپنڈی

آپ کا خیال بالکل درست ہے ہم بالکل خیریت سے ہیں اور امید ہے آپ بھی خیریت سے ہوں گے اور دل لگا کر پڑھ رہے ہوں گے، یاد رکھیے پڑھنے سے جی چرانے والے بچے کسی میدان میں کامیاب نہیں ہوتے۔ آپ نے ساری "آنکھ مچولیاں" پڑھی ہیں، بہت شکریہ، خود بھی پڑھیے اور دوسروں کو بھی پڑھائیے۔

سہیل صدیقی، گوجرانوالہ

کئی صفحات پر مشتمل آپ کا "مختصر" خط ملا۔ اگر آپ کا مختصر خط ایسا ہوتا ہے تو ہم یہ سوچ سوچ کر پریشان ہو رہے ہیں کہ اگر کبھی آپ نے ہمیں تفصیلی خط بھیج دیا تو ہمارا کیا حال ہوگا۔ آپ نے لکھا ہے کہ سالنامے کی تعریف کے لیے پوری کاپی درکار ہوگی۔ ارے ایسا غضب نہ کیجئے گا۔ ہمارے لیے آپ کی اتنی ہی تعریف بہت کافی ہے۔

اسماعیل عبدالرحمٰن، میٹھادر کراچی

سالنامہ آپ کو بھی پسند آیا۔ شکریہ، آپ نے لکھا ہے کہ پنسل کا تحفہ آپ کو اس لیے پسند نہیں آیا کہ اِس سے آپ ہمیں ایک خط بھی نہیں لکھ سکتے۔ بھلا آپ ہمیں کتنا طویل خط لکھنا چاہتے تھے جو ایک پنسل میں بھی نامکمل رہے گا۔ ہمارا نہیں تو آنکھ مچولی کے دوسرے قارئین کا ہی کچھ خیال کیجیے۔ پسندیدگی کا ایک بار پھر شکریہ،

ثاقب محمود، جہلم

آپ نے لکھا ہے، خط لکھتے ہوئے میں بہت غُصّہ میں ہوں، آپ جہلم والوں کے خط کا جواب نہیں دیتے۔ آپ، واقعی غُصّہ میں لگتے ہیں اِسی لیے آپ نے ہم پر اتنا بڑا الزام لگا دیا۔ ہمارے لیے آنکھ مچولی کے تمام قارئین برابر ہیں۔ آپ نے سُنا نہیں کہ غُصّہ کرنا حرام ہے۔ آپ کا یہ غُصّہ ویسے بھی بے جا ہے کیونکہ اگر ہم جہلم والوں کے خط کا جواب نہیں دیتے تو پھر یہ کیا ہے؟

سہیل منصور صدیقی، ملیر کالونی کراچی

پیارے بھائی ہم آپ کو ہرگز ناراض نہیں ہونے دیں گے۔ خط کا جواب حاضر ہے۔ اب تو آپ خوش ہیں، امید ہے گلہ ہے لگا ہے، ہم سے تعاون کرتے رہیں گے۔ آپ کا بھیجا ہوا لطیفہ شاملِ اشاعت ہے۔

ثمینہ نبی بر ڑو، مکلی ٹھٹھہ

پہلی سالگرہ کی مبارک باد کا شکریہ (ہماری نہیں، آنکھ مچولی کی) آپ نے لکھا ہے کہ آنکھ مچولی کی تعریف کس طرح کروں، یہ آپ کی محنتوں کا منہ بولتا شاہکار تھا۔ تعریف تو آپ نے کردی۔ لہٰذا ہمارا شکریہ بھی قبول کیجئے۔

پرنس ع۔ و۔ ج۔ ش۔ میاں چنّوں

آپ کو ساری کہانیاں پسند آئیں۔ ہماری اور تمام لکھنے والوں کی محنت وصول ہوگئی، لیکن شہزادے صاحب اپنے نام کے بارے میں اتنی رازداری برتنے کی مصلحت ہماری سمجھ میں نہیں آئی، کہیں آپ بھی کوئی جلا وطن شہزادے تو نہیں جو اپنی چھینی ہوئی سلطنت کی واپسی کا انتظار کر رہے ہیں۔

حمیرا لطیف

ستمبر

سال کا نواں مہینہ

اس مہینے کا نام کیسے پڑا ؟

پرانے رومی کلینڈر میں ساتواں مہینہ تھا
جب کلینڈر کی ترتیب درست کی گئی تو یہ نواں مہینہ ہوگیا لیکن روم کے لوگوں نے اس
کا نام بدلنا مناسب نہیں سمجھا - اور اسے ستمبر ہی کہتے رہے۔ سپتم کے معنیٰ ساتواں ہے۔
اس طرح عیسوی کلینڈر کا یہ نواں مہینہ ابھی تک ساتواں ہی کہلاتا ہے۔

حضرت عمر فاروق

تاریخی واقعات کے آئینے میں

خلیفۂ ثانی حضرت عمرؓ بن الخطاب ایک نامور فاتح اور عادل حکمران تھے ان کی منصف مزاجی اور رعایا پروری ضرب المثل بن چکی ہے۔ شجاعت، دیانت اور عدالت ان کے ایسے اوصاف تھے جو بہت کم حکمرانوں میں پائے جاتے ہیں۔ وہ ہجرتِ نبویؐ سے ۴۰ سال قبل پیدا ہوئے اور ۲۶ ذی الحجہ ۲۳ ہجری کو شہید ہوئے۔ ان کی سادگی، جفاکشی اور خوفِ خدا کے بے شمار واقعات ہیں جو تاریخ کا حصہ بن چکے ہیں جن میں سے چند آپ کی دلچسپی کے لئے پیش کئے جارہے ہیں۔

خلافت کی شکل میں ذمہ داریوں کا جو بوجھ ان کے کندھوں پر ڈالا گیا تھا وہ ان کی انجام دہی میں اتنے مستعد تھے کہ راتوں کو بھیس بدل کر اور دن میں بھی اپنی سلطنت میں گھوم پھر کر بذاتِ خود اس بات کا جائزہ لیتے تھے کہ عوام کو کوئی پریشانی یا مشکل تو پیش نہیں آرہی یا عمالِ حکومت اپنے فرائض خوش اسلوبی سے انجام دینے میں کوتاہی تو نہیں کررہے ہیں۔ ان کے دربار میں شاہانہ کرّوفر نام کو نہ تھا اور ہر شخص کو رسائی اور اپنی بات کہنے کی اجازت تھی۔ ہر شخص بلا خوف ان پر تنقید کرسکتا تھا۔

ایک بار کسی معاملے پر غور و خوض کے لئے مجلس مشاورت کا اجلاس ہورہا تھا۔ ایک شخص نے کہا "اے عمر! خدا سے ڈر" اور یہ بات اس نے متواتر اس طرح کہی کہ کارروائی میں خلل پڑا اور لوگ اس کی طرف متوجہ ہوگئے۔ کسی نے اسے چپ کرانے کی کوشش کی تو حضرت عمرؓ نے منع فرمایا اور کہا " اگر یہ شخص چپ رہا اور اپنی بات نہ کہی تو اس کے آنے کا کیا فائدہ تھا اور ہم نے اس کی بات غور سے نہ سنی تو مشورہ کا مقصد ہی فوت ہوجائے گا۔"

وہ عظیم الشان اسلامی سلطنت کے جلیل القدر فرمانروا تھے اس کے باوجود اُن کی سادگی اور کفایت شعاری کا اندازہ اس واقعہ سے لگایا جاسکتا ہے کہ ایک مرتبہ کچھ لوگ ان کے انتظار میں گھر کے باہر موجود تھے لیکن حضرت عمرؓ کافی دیر تک باہر تشریف

نہیں لائے، کافی دیر بعد جب وہ باہر آئے تو معلوم ہوا کہ انہوں نے اپنے کپڑے دھو کر سوکھنے کے لئے ڈالے ہوئے تھے اور ان کے پاس کوئی دوسرا جوڑا نہیں تھا کہ اسے پہن کر باہر آجاتے جب کپڑے سوکھ گئے تو وہ انہیں پہن کر باہر آئے۔

حضرت عمرؓ غرور و تکبر کے دل میں جگہ پا جانے سے بہت ڈرتے تھے، لاکھوں میل پر پھیلی ہوئی حکومت کا سربراہ ہونے کے باوجود وہ اکثر محفلوں میں ان ادوار کا ذکر کیا کرتے تھے جب وہ نسبتاً کم حیثیت کے حامل تھے، ایک مرتبہ خطبہ دیتے ہوئے آپؓ نے فرمایا "لوگو! ایک وقت ایسا تھا کہ میں لوگوں کو پانی بھر کر لاکے دیا کرتا تھا اور وہ اس کے عوض مجھے کھجوریں دیتے تھے جنہیں کھا کر میں گزر بسر کیا کرتا تھا"

بعد میں لوگوں نے کہا کہ اس تذکرے کی کیا ضرورت تھی؟ آپ نے فرمایا "میری طبیعت میں کچھ غرور پیدا ہونے کا خدشہ تھا میں نے اس طرح اُس کا علاج کیا ہے"

حضرت عمرؓ نے ازواجِ مطہرات، اصحابِ بدر، اصحابِ بیت الرضوان اور تمام جلیل القدر صحابہؓ کے وظائف بیت المال سے مقرر کر دیئے۔ انہوں نے حضرت اسامہؓ کا وظیفہ اپنے صاحبزادے حضرت عبداللہ ابن عمرؓ سے زیادہ مقرر فرمایا تو انہوں نے اس پر اعتراض کیا۔ آپ نے اپنے بیٹے سے فرمایا۔ "آنحضرتؐ اسامہ کو تجھ سے اور اسامہ کے باپ کو تیرے باپ سے زیادہ عزیز رکھتے تھے"۔

آپؓ سیاہ و سفید کے مالک تھے لیکن اپنے مقررہ وظیفے سے ایک پائی بھی زیادہ لینا حرام سمجھتے تھے۔ ایک بار آپ بیمار پڑ گئے۔ طبیب نے اس کا علاج شہد تجویز کیا آپ کے ہاں شہد نہیں تھا اور کہیں سے دستیاب بھی نہیں ہو رہا تھا۔ البتہ بیت المال میں شہد موجود تھا۔ لوگوں نے کہا کہ بیت المال سے شہد منگوا کر استعمال کر لیا جائے۔ آپ نے جواب دیا "اس مال پر میرا کوئی حق نہیں یہ مسلمانوں کی امانت ہے" اور انہوں نے شہد استعمال نہیں کیا۔

حضرت عمرؓ انتہائی سخی اور فیاض تھے لیکن کسی کو بلا ضرورت سوال کرتے دیکھنا گوارہ نہیں کرتے تھے۔ کسی شخص کے بارے میں معلوم ہوتا کہ وہ خوشحال ہے لیکن بے کار رہتا ہے اور کام دھندہ نہیں کرتا تو اس کے بارے میں کہتے "وہ شخص میری نظروں سے گر گیا ہے" ایک بار ایک سائل حضرت عمرؓ کے پاس آیا اور سوال کیا، اس کی جھولی آٹے سے بھری ہوئی تھی۔ حضرت عمرؓ کی نظر اس پر پڑی تو چھین کر اونٹوں کے آگے ڈال دی اور اس سے کہا "اب جو مانگنا ہو مانگ سکتا ہے"

ایکبار شام کے سفر سے دارالخلافہ واپس آ رہے تھے راستے میں ایک خیمہ لگا دیکھا، سواری سے اتر کر خیمہ کے قریب

گئے اندر ایک بڑھیا تھی، آپؓ نے اس سے پوچھا "عمر کا کچھ حال معلوم ہے؟" اس نے کہا "ہاں شام سے روانہ ہو چکا ہے لیکن خدا اس کو غارت کرے۔ آج تک مجھے اس کے ہاں سے ایک حبّہ بھی نہیں ملا" حضرت عمرؓ نے کہا "اتنی دور کا حال عمر کو کیسے معلوم ہو سکتا ہے؟" بڑھیا بولی "اگر اسے رعایا کا حال معلوم نہیں تو خلیفہ کیوں بنا ہوا ہے؟" آپؓ یہ سن کر رو پڑے۔

حضرتِ عمرؓ کو بچوں سے خاص محبت و انسیت تھی انہوں نے حکم جاری کیا تھا کہ ہر شیر خوار بچہ کو جو ماں کا دودھ چھوڑ چکا ہو۔ بیت المال سے وظیفہ دیا جائے۔ ایک بار ایک قافلہ مدینہ پہنچا آپؓ خود خبرگیری اور حفاظت کے لئے قافلے والوں کے پاس پہنچے۔ وہ جائزہ لیتے ہوئے گھوم رہے تھے کہ ایک طرف سے بچے کے رونے کی آواز آئی، دیکھا کہ ایک شیر خوار بچہ ماں کی گود میں رو رہا ہے، انہوں نے ماں کو تاکید کی کہ بچے کو چپ کرائے۔ تھوڑی دیر بعد وہاں سے پھر گزرے تو بچے کو روتا ہوا پایا۔ انہوں نے غصّے سے بچے کی ماں سے کہا "تو بڑی بے رحم ماں ہے" (کہ بچہ رو رہا ہے اور تو دودھ بھی نہیں پلاتی) عورت نے کہا کہ "خلیفہ نے حکم دیا ہے کہ بچے جب تک دودھ نہ چھوڑیں بیت المال سے ان کا وظیفہ مقرّر نہ کیا جائے میں اسی لئے اس کا دودھ چھڑا رہی ہوں جس کی وجہ سے یہ رو رہا ہے" آپ نے یہ سن کر اسی وقت منادی کرا دی کہ ہر بچہ کا پیدائش کے وقت سے ہی وظیفہ مقرر کیا جاتا ہے۔

ایک مرتبہ حضرت عمرؓ اپنے غلام اسلم کے ساتھ رات کو معمول کے گشت پر تھے مدینہ سے تین میل دور حرار کے مقام پر پہنچے تو دیکھا ایک عورت کچھ پکا رہی ہے اور بچے بھوک سے بلک رہے ہیں۔ عورت سے حقیقتِ حال دریافت کی تو معلوم ہوا کہ کئی وقت کا فاقہ ہے اور کھانے کو کچھ بھی نہیں: بچوں کو بہلانے کے لئے خالی ہانڈی چڑھا کر چمچہ ہلا رہی ہے۔ حضرت عمرؓ اسی وقت اٹھے، مدینہ میں آکر بیت المال سے آٹا، گوشت، گھی اور کھجوریں لیں اور اسلم سے کہا "بوری میری پیٹھ پر رکھ دو" غلام نے پس و پیش کرتے ہوئے کہا "میں لئے چلتا ہوں" آپ نے فرمایا "یہاں تو یہ وزن تم اٹھا لوگے لیکن قیامت میں میرا بار کون اٹھائے گا"۔ یہ کہہ کر ساری چیزیں عورت کے پاس پہنچائیں۔ اس نے آٹا گوندھا، ہانڈی چڑھادی۔ حضرت عمرؓ خود چولہا پھونکتے جاتے تھے جب بچے کھانا کھا کر سیر ہو گئے تو وہاں سے پلٹے۔ عورت نے کہا "خدا تم کو جزائے خیر دے۔ امیرالمومنین ہونے کے لائق تم ہو نہ کہ عمرؓ"

عبدالرحمٰن بن عوفؓ کا بیان ہے کہ ایک دفعہ حضرت عمرؓ رات کو میرے مکان پر آئے میں نے کہا کہ آپ نے کیوں تکلیف کی مجھے بلا لیا ہوتا۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا "ابھی ابھی مجھے معلوم ہوا ہے کہ شہر کے باہر ایک قافلہ آکر اترا ہے لوگ تھکے ماندے

ہوں گے آؤ ہم دونوں چل کر پہرہ دیتے ہیں" پھر ہم دونوں گئے اور رات بھر پہرہ دیا۔

غربا، فقراؔ، مساکین اور معذوروں پر آپ خصوصی شفقت فرماتے تھے ایک بار ایک صحابی سعید بن پربوع سے پوچھا آپ نماز جمعہ میں کیوں نہیں آتے؟ انہوں نے جواب" میری آنکھیں جاتی رہی ہیں اور میرے پاس کوئی ایسا نہیں ہے جو راستہ بتائے" آپ نے فوراً ایک آدمی مقرر کر دیا جو ہمیشہ ان کے ساتھ رہتا۔

دنیاوی مال واسباب اور دولت سے وہ کتنے لاتعلق تھے اس کا اندازہ اس اُمر سے لگایا جا سکتا ہے کہ پارسی غلام فیروز کے وار سے زخمی ہونے کے باوجود جان اپنے مالک کے سپرد کرنے سے پہلے دیگر امور کے بارے میں ہدایات دینے کے بعد اپنے بیٹے عبداللہ سے پوچھا" مجھ پر کتنا قرض ہے" انہوں نے بتایا" ۸۶ ہزار درہم" آپ نے فرمایا" میرے ترکہ سے ادا ہوسکے تو بہتر ہے ورنہ خاندان عدی سے درخواست کرنا اور اگر وہ بھی پورا نہ کرسکیں تو قریش والوں سے کہنا لیکن ان کے علاوہ کسی اور تکلیف نہ دینا۔"

جس شخص کی مملکت ساڑھے بائیس لاکھ مربع میل کے علاقہ میں پھیلی ہوئی تھی اس نے مرتے وقت اپنی اولاد کے لئے ۸۶ ہزار درہم قرضہ چھوڑا تھا۔ اس حقیقت سے یہ بات سامنے آتی ہے کہ صحابہ کرامؓ کے نزدیک مال و دولت کی ذرا سی بھی اہمیت نہیں تھی۔ خدا کی رضا اور رسولؐ کی اتباع ان کا مقصد اولین تھا۔

اس مضمون کی تیاری میں درج ذیل کتابوں سے مدد لی گئی۔

" الفاروق " شبلی نعمانی۔ "تاریخ اسلام" مولانا اکبر شاہ خان نجیب آبادی " تاریخ اسلام" وزیر علی اور "تاریخ اسلام" ڈاکٹر حمید الدین۔

---

۶ ستمبر

شوکت عابد

جرأتوں کا نشاں عزم کی داستاں
اپنے فوجی جواں اپنے فوجی جواں

اپنی دھرتی کی اِن بستیوں کے محافظ ہیں یہ
لہلہاتی ہوئی کھیتیوں کے محافظ ہیں یہ
گنگناتی ہوئی ندیوں کے محافظ ہیں یہ

جنگ ہو امن ہو ان کے جذبے جواں
اپنے فوجی جواں اپنے فوجی جواں

کوئی بھٹی ہے سرور ہے اور کوئی منہاس ہے
سب کو عہدِ وفا کے نبھانے کا احساس ہے
سانس ہے جب تلک بس شہادت کی آس ہے

ان کے خوں سے مہکتا ہے یہ گلستاں
اپنے فوجی جواں اپنے فوجی جواں

ماند پڑ جاتی ہیں بجلیاں یہ چمکتے ہیں جب
ایک طوفان بن جاتے ہیں یہ بپھرتے ہیں جب
انکی ہیبت سے دہشت زدہ دشمن بھی لرزتے ہیں جب

دشمنوں کے لیے ایک ضربِ گراں
اپنے فوجی جواں اپنے فوجی جواں

اے خدا نورِ ایمان سے دل منور رہیں
تیرے ہی فضل کے سائے میں اپنے لشکر رہیں
ساری دنیا میں ہم سرخرو اور برتر رہیں

ہوں سدا کامراں ہوں سدا شادماں
اپنے فوجی جواں اپنے فوجی جواں

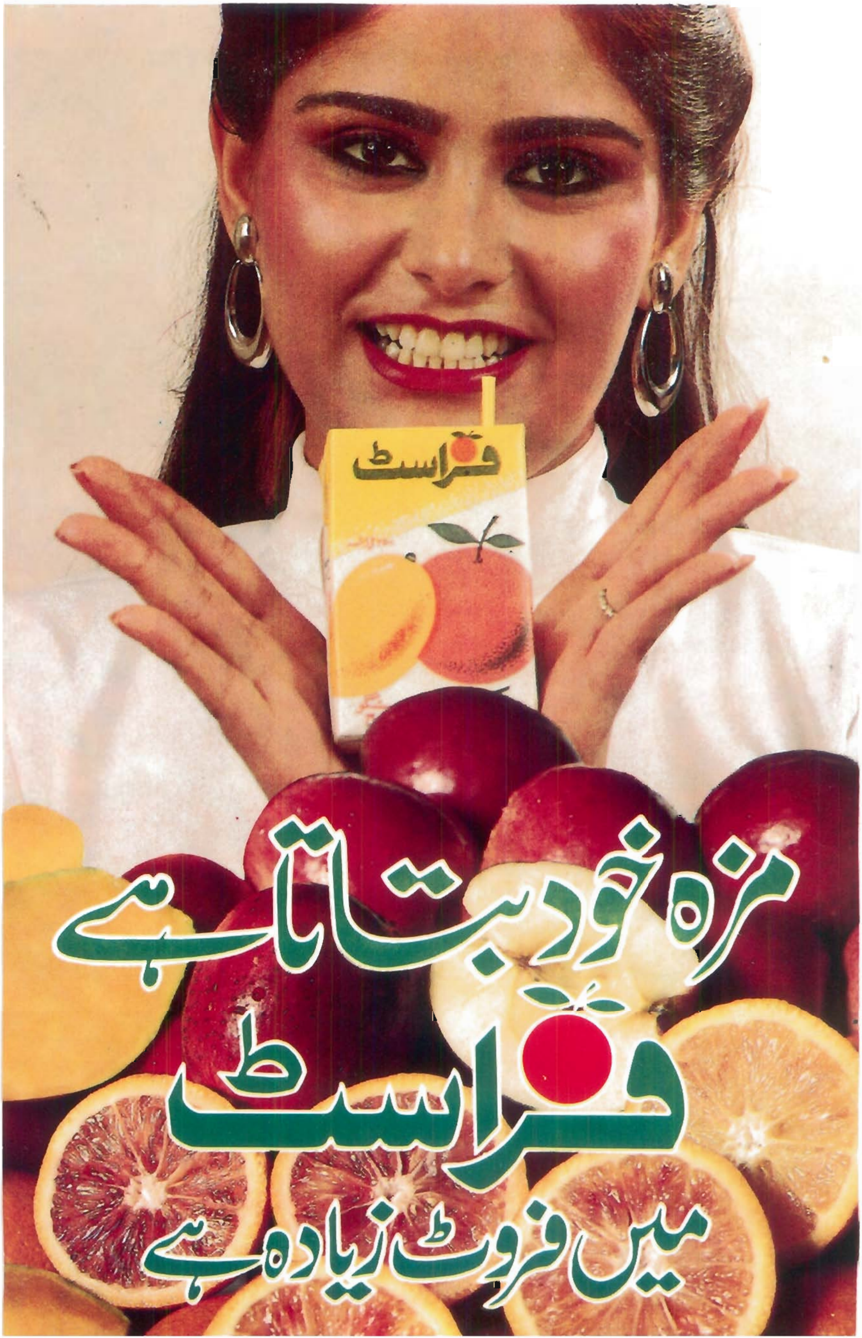
فراسٹ
مزہ خود بتاتا ہے
فراسٹ
میں فروٹ زیادہ ہے

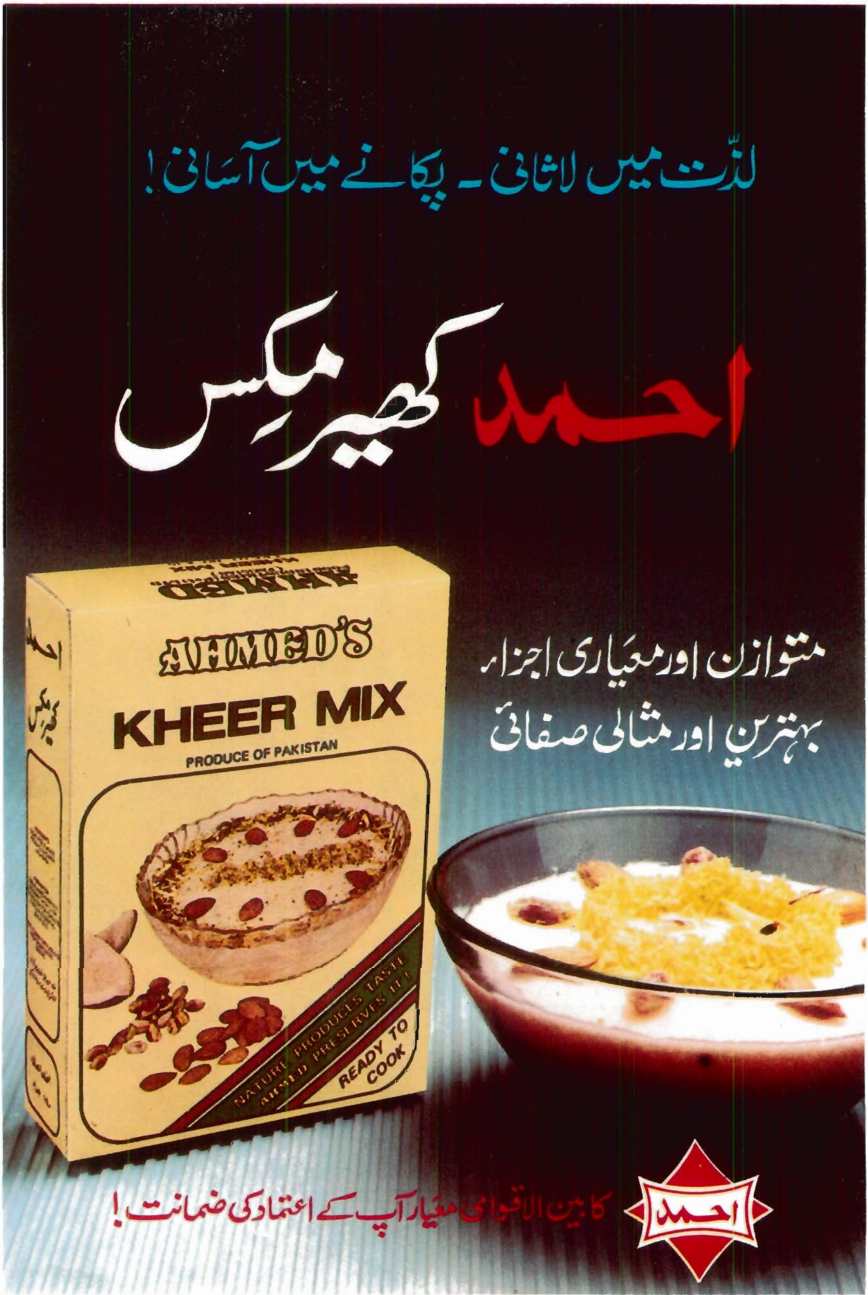

لذّت میں لاثانی ۔ پکانے میں آسانی !
احمد کھیرِ مکس
AHMED'S
KHEER MIX
PRODUCE OF PAKISTAN
NATURE PRODUCES TASTE
AHMED PRESERVES IT!
READY TO COOK
متوازن اور معیاری اجزاء
بہترین اور مثالی صفائی
احمد
کا بین الاقوامی معیار آپ کے اعتماد کی ضمانت !

گڑیا

محمد جاوید خالد

ایک دن پتہ ہے کیا ہوا؟
گڑیا کا جھگڑا ہو گیا
جھگڑا بھی ہاں کس سے بھلا
بھائی جو ہے اس کا بڑا
بھائی نے جس دم دی تڑی
ننھی سی گڑیا رو پڑی
وہ روتے روتے سو گئی
خوابوں میں ایسے کھو گئی

اک اور ہی دیکھا جہاں
بچوں کا میلہ تھا وہاں
اور عین ان کے درمیاں
تھی اک پری جلوہ فشاں
ڈھیروں کھلونے بھی حسیں
رکھتی تھی وہ اپنے قریں
ایک بات یہ اُس نے کہی
"لڑتا نہ ہو جو بھی کبھی
تحفوں کا وہ حقدار ہے
مجھ کو اسی سے پیار ہے"
جتنے بھی بچے تھے وہاں
اچھے تھے سب وہ بے گماں
سب ہی تھے اچھے نام سے
سب خوش ہوئے انعام سے
گڑیا کے پاس آئی پری
شرمائی گڑیا اور ڈری

وہ مہرباں کہنے لگی!!
"دیکھو نہ لڑنا پھر کبھی
جگ میں جو مل جل کر رہا
اس سے تو خوش بھی ہے خدا"
چابی کی اک گڑیا تھی واں
آفت کی وہ پڑیا تھی ہاں
چابی سے جب چلتی تھی وہ
باتیں بہت کرتی تھی وہ

گڑیا کو گڑیا مل گئی گڑیا خوشی سے کھل گئی

شاھد جمیل

حالیہ سانحۂ کراچی کے پس منظر میں لکھی گئی دردانگیز کہانی

ہاتھ

"کس کا ہاتھ ہے ؟" دبے پاؤں پیچھے آکر نوعمر کشمند نے چھوٹے سے خیرو کی آنکھوں پر اپنا ہاتھ رکھ کر پوچھا تو خیرو غُصّے سے تڑپ کر بولا۔

"ابے صاف تو چمڑے کی بُو آ رہی ہے تیرے ہاتھوں سے اور پوچھ رہا ہے کس کا ہاتھ ہے ؟ چَل چھوڑ!"
یہ کہہ کر خیرو نے اپنی آنکھوں پر سے کشمند کا ہاتھ ہٹا دیا تو کشمند ہنسنے لگا۔ خیرو باریک آواز میں چلّا کر بولا۔

"کتنی مرتبہ کہہ چکا ہوں کہ تو نہ مجُھ سے ہاتھ ملایا کر اور نہ اپنے ہاتھوں سے مجُھے چھُوا کر۔ پھر بھی تُو باز نہیں آتا، اور میری آنکھوں پر اپنے گندے ہاتھ رکھ دیتا ہے۔"

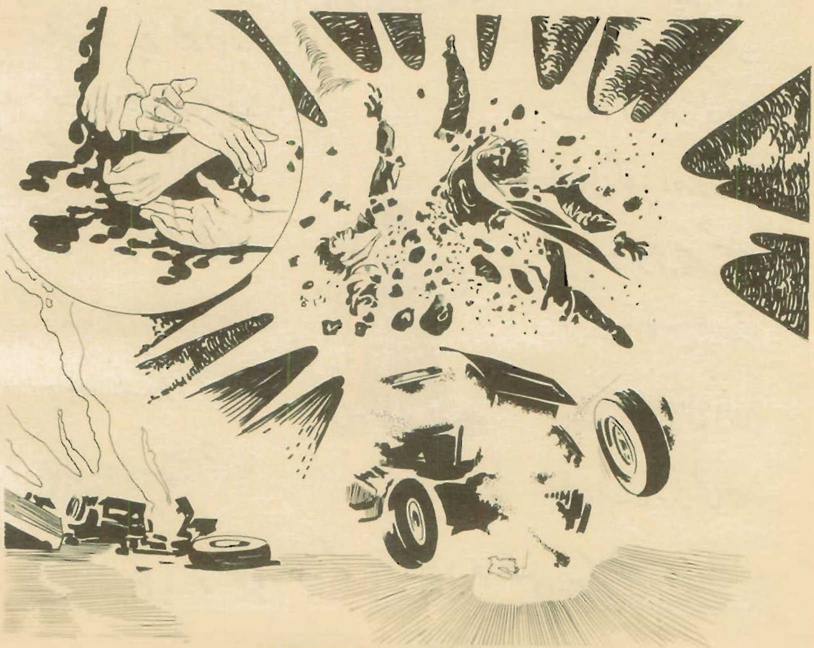

چھوٹی عمر سے ہی غریب بچّوں کو جب مزدوری کرنی پڑتی ہے، تو اُن کی زبانیں بہت تیز ہو جاتی ہیں۔ خیرو بھی چھوٹا سا تھا، لیکن اِس کا جواب اپنی جگہ تھا۔ بولا۔

"کیا ہے میرے ہاتھوں میں یار؟ جُوتے گانٹھتا ہوں تو گلاب کی بُو کہاں سے آئے گی۔ بُو تو چمڑے کی ہی ہوگی نا؟ اور پھر تیرے ہاتھ کون سے صاف ہوتے ہیں؟"

"ٹھیک ہے، ٹھیک ہے، مجھے پسند نہیں ہے۔" چھوٹا سا خیرو اس وقت اپنے آپ کو پتہ نہیں کیا سمجھ رہا تھا۔ حالانکہ صرف چھولے بیچتا تھا ایک چھوٹی سی چھابڑی میں سڑک کی نُکّڑ پر رکھ کے۔ پولیس دن میں بیس مرتبہ کبھی ڈنڈے، کبھی جُوتے، کبھی تھپّڑ مار کر بھگاتی تھی، لیکن ڈھٹائی سے پھر اُسی جگہ آ کر بیٹھ جاتا تھا۔ یہ اُس کے باپ کی بتائی ہوئی ترکیب تھی کہ پولیس کتنا ہی بھگائے بھاگنا مت۔ اور یہ بھی اُس کے باپ کی بتائی ترکیب تھی کہ موچیوں سے ہاتھ نہ مِلانا۔ حالانکہ کشمند ایسے موچی کا بیٹا تھا جس کی بوہری بازار میں کاروباری لحاظ سے کراچی میں جُوتوں کی سب سے کامیاب دکان تھی۔ اِس دکان پر ایک دفعہ امریکہ کے نائب صدر جانسن نے بھی تھوڑی دیر رُک کر کشمند کے باپ سے ازراہِ شفقت پوچھا تھا۔

"بشیر اونٹ والے کے تم کون ہو؟"

تو کشمند کے باپ نے کہا تھا: "وہ میرا بھائی ہے۔"

بعد میں لوگوں نے جَل کر کشمند کے باپ سے پوچھا تھا: "بشیر اونٹ والا تو بلوچی ہے، اور تو پٹھان ہے تو پھر وہ تیرا بھائی کیسے ہو گیا؟"

اِس پر کشمند کا باپ مُسکرایا تھا، کیونکہ اُس کو مُسکرانے کی عادت تھی پھر بہت اطمینان سے بولا تھا "... کیا تُم کو معلوم نہیں ہے کہ مسلمان آپس میں بھائی بھائی ہوتا ہے۔"

اپنے باپ ہی کی طرح کشمند بھی تھا، اِسی لیے اُس نے خیرو کی بات کا بُرا نہیں مانا تھا، لیکن خیرو بات بے بات کشمند سے نفرت کا اظہار کرتا تھا۔ ایک دن تو کشمند نے ڈھیٹ بن کر خیرو سے پوچھ ہی لیا تھا۔

"تو مجھ سے نفرت کیوں کرتا ہے؟"

اِس پر خیرو نے انتہائی بے مروّتی سے کُھل کر کہہ دیا تھا۔

"تم لوگ جُوتے گانٹھتے ہو! پاؤں میں پہننے والی چیز! تو پاؤں ہی کے نیچے رہا کرو، سَر پر چڑھنے کی کوشش نہ کیا کرو۔"

اِس سخت جواب پر کشمند رو پڑا تھا۔ وہ چمڑے کی بُو میں بسا ہوا اپنا ہاتھ دیکھتا جاتا تھا اور روتا جاتا

تھا کہ اتنے میں خالد بٹ آگیا۔ بٹ سامنے کے فٹ پاتھ سے ذرا نیچے سائیکل پنکچر بناتا تھا۔ بٹ بھی اُنہی کا ہم عمر تھا۔ وہ بہت دھیمے مزاج کا لڑکا تھا۔ اور مصیبت کے وقت اپنی عمر کے بچّوں کی ٹوٹ کر مدد کرتا تھا۔ ایک دفعہ تو بس سے اُترتے وقت ایک بچہ سخت گرمی کے باعث سڑک پر گر کر بے ہوش ہو گیا تھا۔ تو اُس نے اُس دن کی کمائی کے تمام پیسے اس کے علاج پر خرچ کر دیے تھے۔ بعد میں باپ نے اس کی بات پر یقین نہ کرتے ہوئے اُسے ڈانٹا بھی تھا' اس نے سمجھا تھا کہ شاید وہ پیسے خود کھا گیا ہے۔ لیکن جب آس پاس کے تمام دکانداروں نے گواہی دی تب اُس کو یقین آیا تھا' اور تب وہ بٹ کی اس نیکی سے دِل ہی دِل میں خوش بھی ہوا تھا۔ ہاں تو جب بٹ نے کشمند کو پھُوٹ پھُوٹ کر روتا ہوا دیکھا تو اُس کا ہاتھ پکڑ کر بولا۔

"کشمند مت رو' میں خیرو کو سمجھاؤں گا۔" خیرو چھولے بیچنے میں مصروف تھا۔ بٹ اِس کے پاس گیا۔ اس کا ہاتھ پکڑ کر بولا۔

"خیرو چل میرے ساتھ"

خیرو ٹُنک کر بولا" دیکھتا نہیں چھولے ملا رہا ہوں۔"

بٹ نے کہا۔۔۔

"چھولے ملانے سے زیادہ ضروری ہاتھ ملانا ہے۔ چل' چل کے ہاتھ ملا کشمند سے' وہ رو رہا ہے۔"

ابھی یہ بات ہو ہی رہی تھی کہ آفتاب بلوچ نے آکر ایک دھول جمائی بٹ کی پیٹھ پر' اور بولا" تو کیا چاہتا ہے تیری دکان کے گاہک میں ہی نمٹاتا رہوں۔ اب جا تو ہی سنبھال انہیں' چار اور کھڑے ہیں سائیکلیں تھامے۔" بٹ کو غصّہ آگیا' پلٹ کر بولا۔" ہزار بار سمجھایا ہے کہ زبان سے بات کیا کر' یہ مار پیٹ کا مذاق مجھے پسند نہیں" آفتاب بلوچ نے اس کی سُنی اَن سُنی کر دی اور بٹ کے بال کھینچتے ہوئے کہا میں تو اِسی طرح بات کروں گا۔" بٹ نے جھٹکے سے اس کا ہاتھ پرے کر دیا۔

یہ حرکت بلوچ کو ناگوار گزری' جھنجھلا کر بولا۔" ایک تو تیرے کام کروں اور پھر تیرے نخرے سہوں۔"

"کیا میں تیرے کام نہیں آتا جو احسان دھرتا ہے۔" بٹ نے تلخی سے کہا

"اچھا' اچھا اب زیادہ باتیں نہ بنا' اپنی دکان پہ جا"

"جاؤں نہ جاؤں میری مرضی!"۔ بٹ بھی اَڑ گیا۔

"جائے گا کیسے نہیں" یہ کہتے ہوئے بلوچ بڑھا اور اُس نے بٹ کو کمر سے پکڑ لیا۔ یہ منظر دیکھ کے کشمند دوڑتا ہوا آیا اور بلوچ سے چمٹ گیا۔ خیرو جھگڑا چُکانے کی غرض سے بٹ کو اپنی طرف کھینچنے لگا۔

اُس وقت شفیع اللہ سندھی جو تالے چابیاں بنایا کرتا تھا کھڑا اُن کو لڑتے ہوئے دیکھ رہا تھا اور کسی کو نہیں منع کر رہا تھا کہ مت لڑو۔ جب کہ وہ چاروں کا دوست تھا۔ جس وقت وہ چاروں ایک دوسرے سے گتھم گتھا ہو رہے تھے، اُسی وقت اتنا زوردار دھماکا ہوا کہ جیسے قیامت آگئی ہو۔ فوری طور پر افراتفری میں زیادہ بات تو نہیں معلوم ہوسکی، لیکن دوسرے دن سامنے والے گرجا گھر کی چھت پر پانچ ہاتھ ایک پر ایک گتھم گتھا پڑے ہوئے ملے، جو بم کے دھماکے سے بدن سے الگ ہوکر اُڑ کر وہاں پہنچ گئے تھے۔ اِن ہاتھوں کو اُسی جگہ کے اُن لوگوں نے پہچانا جو دھماکے کے وقت کہیں اور گئے ہوئے تھے۔ انھوں نے اچھی طرح سے پہچان کر بتایا کہ ایک ہاتھ خیرو چھولے والے کا ہے۔ جس سے ہم لوگ روزانہ نہایت مزیدار چھولے کھایا کرتے تھے۔ اِس کے اُوپر والا ہاتھ دیکھ کر لوگوں نے کہا یہ دوسرا ہاتھ کشمند موچی کا ہے۔ جس کے گانٹھے ہوئے جوتے ہم لوگ پہن کر خوش ہوتے تھے اور کہتے تھے کہ یہ جوتے اچھے بناتا ہے۔ اس کے اوپر والا تیسرا ہاتھ لوگوں نے پہچان کر بتایا کہ یہ ہاتھ خالد بٹ سائیکل مرمّت کرنے والے بچّے کا ہے جس سے سب ہی اپنی سائیکل مرمّت کروایا کرتے تھے۔ چوتھا ہاتھ دیکھتے ہی لوگ بول اُٹھے یہ تو آفتاب بلوچ کا ہاتھ ہے۔ جو سب سے سستے اور اچھے لنڈے کے کپڑے بیچا کرتا تھا، اور سب سے زیادہ بھیڑ اُسی کی دُکان پر ہوتی تھی، اور پانچواں ہاتھ جب لوگوں نے دیکھا تو فٹ پہچان لیا کہ یہ شفیع اللہ سندھی کا ہے کیونکہ یہی اُنگلیاں تو صفائی اور نزاکت سے گھِس کر چابیوں کے لیور بنایا کرتی تھیں۔

بم سے پرخچے اُڑے ہوئے پانچوں کے ہاتھ جب سب نے پہچان لیے تو اُس علاقے کا سب سے بوڑھا آدمی آہ بھر کر بولا۔

"افسوس! محنتی اور معصوم بچّوں کے ہاتھ کٹ گئے، اور ظالموں کے ہاتھ آزاد ہیں۔!"

دنیا کے طویل ترین دریا

دریائے نیل دنیا کا سب سے طویل دریا ہے۔ یہ دریا ۴۱۶۰ میل کی لمبائی میں سفر کرتا ہے۔ دوسرے نمبر پر دریائے ایمزون ہے اس کی لمبائی ۴۰۰۰ میل ہے۔ تیسرے نمبر پر دریائے یانگسی کیانگ ہے جو چین کا سب سے بڑا دریا ہے، اس دریا کی لمبائی ۳۱۰۰ میل ہے۔

چوتھے نمبر پر دریائے کانگو ہے جو افریقہ میں واقع ہے اور یہ وہاں کا دوسرا سب سے بڑا دریا ہے اس کی لمبائی ۲۷۱۸ میل ہے۔ پانچویں نمبر پر دریائے مزوری ہے جس کی لمبائی ۲۷۱۴ میل ہے اور چھٹے نمبر پر دریائے مس سپی ہے۔ اس کی لمبائی ۲۳۵۰ میل ہے۔

وطن کے ننھے سفیروں کے نام

ایک پیغام

پڑھنے لکھنے سے ہو گا م ٹھیک نہیں ہے اب آرام
محنت ہو بس صبح و شام چمکاؤ دنیا میں نام

جدید ترین مشینوں پر خوبصورت اور مضبوط شاپنگ بیگ
اور ہمہ اقسام کے پرنٹنڈ پلاسٹک بیگ بنانے والے

جیلانی انڈسٹریل کارپوریشن پرائیویٹ لمیٹڈ
ایف 312 ایس آئی ٹی ای۔ کراچی
فون: 295679-295689 ٹیلیکس: 25115 کراؤن پی کے

یومِ دفاع کی خصوصی کہانی

ابنِ شہباز خان

ہیرو

ایاز کے گھر میں وی سی آر کیا آیا، ایک قیامت آگئی۔ شاید ہی کوئی دِن ایسا ہو جب ایاز میاں وی سی آر پہ کوئی نہ کوئی انگریزی یا بھارتی فلم نہ دیکھتے ہوں۔ کبھی کبھار گھر کے بڑوں کے ساتھ فلم دیکھ لینے میں تو ایسا کوئی مضائقہ نہیں لیکن روزانہ باقاعدگی کے ساتھ فلم دیکھنا تو واقعی بُری بات ہے اور اس سے زیادہ غلط بات یہ تھی کہ ایاز میاں فلم دیکھنے کے بعد خود کو فلمی ہیرو سمجھنے لگے تھے۔ رنگ برنگے کپڑے پہننا، پیشانی پر بال گرا کر اُنھیں جھٹکا دینا اور اسی طرح کی بہت سی عادتیں ان کے اندر پیدا ہو گئی

تھیں اور ایک دن تو انھوں نے حد ہی کر دی، گھر کے کام کاج کے لیے امّی نے ایک نوکر رکھّا ہوا تھا۔ ایاز میاں سارا دن اُسے ساتھ لیے لان میں گھومتے رہے اور اُسے عجیب وغریب احکامات دیتے رہے مثلاً یہ کہ "دیکھو میں تمھارا باس ہوں، جو میں حکم دوں گا تم فوراً اس پہ عمل کرو گے۔" یا یہ کہ "میں ہیرو ہوں اور تم ویلن، میں تمھاری پٹائی لگاؤں گا اور تم خاموشی سے مار کھاؤ گے۔" ایاز میاں گھر بھر کے لاڈلے تھے اِس لیے نوکران کے اُلٹے سیدھے حکم مانتا رہا۔ جس کی وجہ سے یہ ہوا کہ ایاز میاں نے مُکّے مار مار کر نوکر کا حلیہ خراب کر دیا۔ اُس بیچارے کا چہرہ سُوج گیا، لیکن ایاز کے دِل میں ذرّہ برابر بھی ہمدردی پیدا نہیں ہوئی۔ وہ تو اچھّا ہوا کہ امّی دفتر سے لوٹیں تو انھوں نے نوکر کو دیکھ کر پوچھ لیا "یہ تمھارا چہرہ کیوں سُوجا ہوا ہے؟" جس پہ اُس نے سب کچھ بتا دیا کہ کس طرح ایاز میاں فلمی ہیرو بن کے اس کی دُھنائی کرتے رہے ہیں۔

"یہ کیا بدتمیزی ہے ایاز" امّی نے تقریباً اِس کا بازو جھنجھوڑ ڈالا "تمھیں کیا ہو گیا ہے۔"

"ہاہاہا میں ہیرو ہوں... سُپر اسٹار" ایاز میاں پیچھے ہٹتے ہوئے فلمی اداکاروں کے سے انداز میں بولے، زیادہ لاڈ نے انھیں واقعی ضرورت سے زیادہ شوخ بنا دیا تھا۔

"اوہ میں سمجھی، یہ سب وی سی آر کا کارنامہ ہے۔" امّی نے سر ہلا کر کہا۔ ایاز نے تو جیسے یہ بات سُنی ہی نہیں، سینے پہ ہاتھ مار کر کہنے لگے۔

"امّی میں بڑا ہو کے فلمی ہیرو بنوں گا۔"

"تمھارا دماغ تو نہیں چل گیا ہے ایاز۔ ہوش میں ہو۔"

لیکن اُس وقت تک ایاز میاں چھلانگ لگا کر اندر جا چکے تھے۔

اگلی رات کو یہ مسئلہ امّی اور دادی جان کے درمیان بحث کا موضوع بنا رہا۔ آخر ایاز میاں کو راہِ راست پر کس طرح لایا جائے۔ دادی جان تو شروع سے ہی وی سی آر کے خلاف تھیں۔ انھوں نے کہا۔

"دیکھو۔ بہو! میں ایاز کو سمجھاتی ہوں لیکن پہلے تم اِس شیطان کے چرخے کو بیچو۔ اصل میں یہی فساد کی جڑ ہے۔"

"ہاں اب تو واقعی اسے بیچنا ہی پڑے گا۔" امّی نے جیسے سوچتے ہوئے کہا۔ اتنے میں ایاز میاں بھی آنکھیں ملتے ہوئے آ گئے۔

"کیا بات ہے بیٹا۔ نیند نہیں آ رہی ہے؟" دادی جان نے پیار سے پوچھا۔

"دادّا کل سے امّی مجھ سے بات نہیں کر رہی ہیں۔ آپ انھیں سمجھایئے نا" ایاز نے امّی کی شکایت کی۔

"کیا تمھاری امّی تم سے ناراض ہیں؟" دادی جان نے انجان بن کر پوچھا۔
"جی ہاں بہت سخت ناراض ہیں۔ بات ہی نہیں کرتیں۔"
"لیکن کیوں بیٹے؟"
"میں فلمی ہیرو بننا چاہتا ہوں اس لیے۔" ایاز نے منہ بنا کر کہا "دادّا کیا فلمی ہیرو بننا بُری بات ہے؟"
"مجھے تو خوشی ہوگی کہ تم ہیرو بنو۔" دادی جان نے ایاز کی پیشانی چُومتے ہوئے کہا "لیکن فلمی نہیں قومی ہیرو۔"
"قومی ہیرو؟" ایاز سوالیہ انداز میں دادی جان کو دیکھنے لگا۔
"ہاں قومی ہیرو۔ اچھا تم آرام سے بیٹھ جاؤ۔ میں تمھیں ایسے ہی ایک قومی ہیرو کی کہانی سناتی ہوں۔ اس کا نام سکندر تھا۔۔۔" دادی جان ماضی کی یادوں میں کھو گئیں۔

پاک فوج کے جوان لاہور چھاؤنی میں اطمینان سے اپنے اپنے کاموں میں مصروف تھے لیفٹیننٹ سکندر اپنے کمرے میں بیٹھے گھر والوں کو خط لکھ رہے تھے۔
"لیفٹیننٹ سکندر! دشمن فوج نے ہمارے پاک وطن پر حملہ کر دیا ہے۔" یکایک کرنل عارف کمرے میں داخل ہوتے ہوئے بڑی تیزی سے بولے۔ ان کے چہرے سے پریشانی اور تردّد جھلک رہا تھا۔
"جی۔۔۔؟" لیفٹیننٹ سکندر کو جیسے یقین نہیں آیا۔
"ہاں۔۔۔! اور دُشمن فوجیں ہمارے شہروں میں آگھُسی ہیں۔ تم فوراً ایک دستہ لے کر نکلو۔ باقی لوگ بھی جا رہے ہیں۔" کرنل عارف نے میز کے پاس آکر اس خط پر پیپر ویٹ رکھ دیا، جو لیفٹیننٹ سکندر لکھ رہے تھے اور جو ابھی نامکمّل تھا۔
"بہت اچھا سر!" لیفٹیننٹ سکندر نے مستعدی سے کہا اور بڑی تیزی سے سول ڈریس اُتار کر فوجی وردی زیبِ تن کرنے لگے۔ کرنل عارف سر ہلا کر باہر نکل گئے۔
معمولی سے وقفے میں پوری طرح تیّار ہو کر لیفٹیننٹ سکندر پاک فوج کے جوانوں کے پاس آئے اور چاق و چوبند دستہ لے کر دشمن کے ناپاک عزائم کو خاک میں ملانے کے لیے نکل کھڑے ہوئے۔ پاک فوج کا یہ دستہ ٹینکوں، بکتر بند گاڑیوں، فوجی جیپوں اور ٹرکوں پر مشتمل تھا۔ اُن کا رُخ لاہور سے قریب واقع دشمن ملک کی سرحد کی طرف تھا۔
وہاں پہنچ کر پتا چلا کہ گھمسان کا رَن جاری ہے۔
دشمن مُلک کے فوجیوں کے ساتھ پاکستانی فوج کے جیالے بڑی شان سے لڑ رہے تھے۔ دشمن کے جدید

ترین ہتھیاروں کے مقابلے میں پاک فوج کے پاس کچھ زیادہ اچھا سامانِ حرب نہیں تھا مگر اُن کے پاس جذبۂ ایمانی کی ناقابلِ تسخیر قوّت تھی، جسے شکست دینا بزدل دشمنوں کے بس کی بات نہیں تھی۔

لیفٹیننٹ سکندر جیپ سے اُترے اور پستول ہاتھ میں لے کر آگے بڑھنے لگے۔ انھوں نے فوجی جوانوں کو بھی مختلف سمتوں سے آگے بڑھنے کی ہدایت کردی تھی۔ لیفٹیننٹ سکندر نے دیکھا کہ ایک جگہ دشمن فوجیوں نے مضبوط مورچہ بنا رکھا ہے، جہاں سے وہ بڑی کامیابی سے پاک فوج پر فائرنگ کر رہے ہیں۔ لیفٹیننٹ سکندر ایک لمبا چکر کاٹ کر اُن کے عقب میں پہنچے اور یکے بعد دیگرے تیزی سے فائرنگ کرکے اُن سب کو بھون دیا۔ اُن کے ہاتھوں سے گرنے والی مشین گنوں میں سے ایک کو لیفٹیننٹ سکندر نے کندھے سے لٹکایا اور دوسری ہاتھ میں لے کر مزید آگے بڑھنے لگے۔

اپنے دستے کی کمان انھوں نے ایک سیکنڈ لیفٹیننٹ کے سپرد کر دی تھی۔

یکایک لیفٹیننٹ سکندر اپنی جگہ ٹھٹھک کر رُک گئے۔

ایک دشمن فوجی نے اچانک ہی اُن کے سامنے نمودار ہو کر اُن پر ریوالور تان لیا تھا۔

لیفٹیننٹ سکندر نے مشین گن یوں آگے بڑھائی، جیسے اسے فوجی کے حوالے کرنا چاہتے ہوں۔ دشمن فوجی ایک لمحے کے لیے مطمئن ہو گیا۔ لیفٹیننٹ سکندر نے اس سنہری موقعے سے فائدہ اٹھاتے ہوئے آگے بڑھتے ہوئے ہاتھ کو پوری قوّت سے جھٹکا دے کر مشین گن فوجی پر پھینک دی اور خود غوطہ مار کر نیچے گرتے چلے گئے۔ فوجی کے ریوالور سے نکلنے والی گولیاں خالی گئیں۔ لیفٹیننٹ سکندر نے زمین پر پہنچتے ہی چیتے کی سی پھُرتی سے فوجی کی دونوں ٹانگیں اپنے ہاتھوں کی گرفت میں لے کر پوری قوّت سے انھیں جھٹکا دیا۔ فوجی منہ کے بل زمین پر آرہا۔ لیفٹیننٹ سکندر تیزی سے اُٹھ کر اُس کے سینے پر سوار ہو گئے اور دونوں ہاتھوں سے اس کا گلا دبانے لگے۔ دشمن مچلنے لگا اور دونوں ہاتھوں سے اپنا گلا چھڑانے کی بھرپور جدّوجہد کرنے لگا۔ مگر لیفٹیننٹ سکندر کے ہاتھوں کے شکنجے سے نہ بچ سکا۔ اس کی آنکھیں باہر اُبل آئیں۔ منہ سے خون نکلنے لگا اور زبان لٹک گئی۔

دشمن کو جہنّم رسید کر کے لیفٹیننٹ سکندر اُٹھے اور مشین گن اُٹھا کر دوبارہ آگے بڑھنے لگے۔ اُسی وقت انھیں یوں محسوس ہوا، جیسے اُن کی پنڈلی میں کسی نے گرم گرم سیسہ ڈال دیا ہو۔ وہ کراہ کے ساتھ تیزی سے زمین پر گر گئے اور پلٹ کر اُس سمت دیکھنے لگے، جہاں سے اُن پر فائر ہوا تھا۔ وہاں دشمن فوجی کھڑا مُسکرا رہا تھا شاید وہ سمجھ رہا تھا کہ اُس کی گولی نے اس کے مخالف کا کام تمام کر دیا ہے۔ لیفٹیننٹ سکندر کے منہ کا ذائقہ نفرت کے مارے کڑوا ہو گیا۔ انھوں نے دانت بھینچے اور مشین گن سیدھی کر کے فوجی کو گولیوں سے بھون دیا۔

پنڈلی کے زخم کی وجہ سے اُن کے لیے کھڑے ہونا مشکل تھا۔ اس لیے وہ گھسٹتے ہوئے آگے بڑھنے لگے۔ اسی طرح نہ جانے وہ کب تک گھسٹتے ہوئے آگے بڑھتے رہے۔

آس پاس گولیوں اور دھماکوں کی آوازوں سے سارا ماحول گونج رہا تھا۔ آسمان پر طیّاروں کا شور تھا۔ دُشمن ملک کے اور پاک فضائیہ کے طیارے اِدھر اُدھر بھاگ رہے تھے اور بمباری کر رہے تھے۔

ایک ٹیلے کے پاس پہنچنے کے بعد لیفٹیننٹ سکندر رُک کر اپنی سانس درست کرنے لگے۔ چند لمحوں بعد انھوں نے ٹیلے سے سر اُٹھا کر دوسری طرف جھانکا۔ وہاں دشمن فوج نے پاک فوج کی ایک چوکی پر قبضہ کر رکھا تھا۔ اور دشمن فوجی وہاں یوں گھوم پھر رہے تھے، جیسے یہ اُن کی اپنی زمین ہو۔ وہاں سے توپوں کے ذریعے پاک فضائیہ کے طیّاروں پر گولے برسائے جا رہے تھے۔ یہ منظر دیکھ کر لیفٹیننٹ سکندر کی آنکھیں نفرت سے جلنے لگیں۔ وہ گھسٹتے ہوئے عقبی راستے سے چوکی کی طرف بڑھنے لگے۔ اُن کا اندازہ تھا کہ سامنے کی بڑی بیرک میں دشمن فوج نے اسلحہ اور بارود چھپا رکھا تھا۔

لیفٹیننٹ سکندر نے یکایک ایک خطرناک فیصلہ کیا۔

وہ اسی طرح گھسٹتے ہوئے تیزی سے بارود والے کمرے کی طرف بڑھنے لگے۔ اس سے پہلے کہ دُشمن فوجی کوئی کارروائی کرتے، لیفٹیننٹ سکندر نے مشین گن سیدھی کی اور تڑاتڑ گولیاں برسانے لگے۔ دشمن فوجی چیختے ہوئے کٹے ہوئے شہتیروں کی طرح ڈھیر ہوتے گئے۔

یکایک کہیں سے ایک گولی آئی اور لیفٹیننٹ سکندر کے شانے میں آگ لگا گئی۔ اُن کے منہ سے بے اختیار ایک چیخ نکلی اور وہ درد وکرب سے کراہنے لگے۔

"یا اللہ مجھے اُس وقت تک زندہ رکھنا جب تک میں یہ بارُود کا ذخیرہ تباہ نہ کر دُوں۔" لیفٹیننٹ سکندر زیرِ لب بڑبڑائے اور بڑی سختی سے ہونٹ بھینچ کر دوبارہ آگے بڑھنے لگے۔ گھسٹتے گھسٹتے وہ بیرک کے دروازے پر پہنچ گئے۔ ساتھ ساتھ وہ مشین گن سے گولیاں برسا کر راستے کی رکاوٹیں بھی ہٹاتے جا رہے تھے۔

لیفٹیننٹ سکندر کے دروازے پر پہنچتے ہی دشمن فوجیوں کے ہاتھ پیر پھُول گئے۔ انھیں موت اپنے سر پر دکھائی دینے لگی۔ اس بوکھلاہٹ میں سب کی عقل خبط ہو کر رہ گئی تھی اور ان کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ وہ کیا کریں۔ اس موقعے پر کچھ فاصلے پر موجود ایک ٹینک میں بیٹھے دو دشمن فوجیوں نے اپنی دانست میں عقلمندی کا مظاہرہ کرتے ہوئے لیفٹیننٹ سکندر پر گولہ پھینکا۔ گولے نے لیفٹیننٹ سکندر کو چیتھڑوں میں تبدیل کر کے فضا میں بکھیر دیا۔ مگر پھر دھماکوں پر دھماکے ہونے لگے۔ گولے سے اندر موجود بارود کا سارا ذخیرہ پھٹ پڑا تھا۔

کچھ ہی دیر میں وہاں موجود ہر چیز تباہ ہوگئی۔ نہ دُشمن فوجی رہے نہ اُن کا سامانِ جنگ۔ بس آگ اور دھواں باقی رہ گیا۔

"مگر دادی جان! ابّو کا کیا ہوا؟" ایاز نے، جو بڑی محویت سے دادی جان کی زبانی کہانی سُن رہا تھا سوال کیا
"پتا نہیں بیٹے! ایک پاکستانی فوجی نے انھیں گھسٹ کر دشمنوں کی طرف بڑھتے ہوئے دیکھا تھا۔ اس کا کہنا ہے کہ وہ زخمی تھے، لیکن اس سے قبل کہ وہ ان کی مدد کو جاتا یا اُن کے کچھ کام آتا، کہیں سے ایک گولی اُسے آکر لگی اور وہ بے ہوش ہوگیا۔ بعد میں اُسے پاکستانی فوجی اُٹھا کر ہسپتال لے گئے۔ جہاں اس کا علاج ہوا اور وہ صحت یاب ہوکر واپس آگیا۔ یوں اُس نے غازی کا درجہ حاصل کیا اور تمھارے ابّو نے شہید کا!" دادی جان نے عینک ہٹا کر آنکھوں میں بھر آنے والے آنسو صاف کرتے ہوئے کہا۔

"پھر کیا ہوا دادی جان؟" ایاز نے دوبارہ پوچھا۔

"حکومت نے لیفٹیننٹ سکندر کو شہید قرار دے کر انھیں نشانِ امتیاز عطا کیا، جو تمھاری امّی نے وصول کیا۔"

"اس کا مطلب یہ ہُوا کہ اصل ہیرو تو ابّو تھے۔ قومی ہیرو۔ جنھوں نے ملک اور قوم کی خاطر جان قربان کر دی۔" ایاز بڑے جوش سے بولا۔

"ہاں۔ اور ایک تم ہو، جو فلمی ہیرو بننے کی ضد کر رہے ہو۔" دادی جان نے بڑے دھیمے انداز میں کہا۔

"میں قومی ہیرو بنوں گا، دادی جان! فلمی ہیرو نہیں!" ایاز نے اپنا فیصلہ سنایا۔

دادی جان نے مُڑ کر ایاز کی امّی کو دیکھا جن کی آنکھیں خوشی سے مُسکرا اُٹھی تھیں۔

چیف سیف ڈپازٹ

اگر آپ یہ تصوّر کریں کہ دنیا کے امیر ترین ملکوں کا سونا ایک جگہ جمع کر دیا جاتے تو آپ سمجھ جائیں گے کہ فورٹ نوکس کیوں مشہور ہے۔ ریاست ہائے متّحدہ امریکہ میں موجود تمام سونا یہاں موجود رہتا ہے۔ اس لئے فورٹ نوکس کو امریکہ کا "چیف سیف ڈپازٹ" کہا جاتا ہے۔ یہاں ہر وقت دس ہزار ملین ڈالر کی مالیّت کا سونا اینٹوں اور سلاخوں کی شکل میں ہوتا ہے۔ گرینائٹ اسٹیل اور کنکریٹ سے تعمیر شدہ یہ مضبوط عمارت ۱۹۳۶ء میں تعمیر کی گئی۔ اس عمارت پر بم کا کوئی اثر نہیں ہو سکتا اور نہ ہی اس میں چوری کی جا سکتی ہے۔ اندر اور باہر مسلّح سنتریوں کا پہرا لگا رہتا ہے۔ اس عمارت کے اَطراف میں اسٹیل کا جنگلا لگا ہوا ہے۔ اور یہاں بہت سی "پوشیدہ نگاہیں" ہیں کہ جو کوئی بھی ان کی حدود کو پار کرے گا فوراً پہرہ شروع ہو جائے گا۔ یہ عمارت ایک وسیع فوجی کیمپ کے درمیان واقع ہے جہاں رات اور دن ہر لمحے محافظ پہرہ دیتے ہیں۔

نذرِ قائدِ اعظمؒ

محمد امان خان دل

قائدِ اعظم تری، ہم پر عنایت ہو گئی
اور آزادی وطن کی اپنی قسمت ہو گئی

تیری انتھک کوششوں کا ہے نتیجہ یہ وطن
بار آور تیری کوشش تیری محنت ہو گئی

ایک پاکستان تو نے کر لیا حاصل تو آج
ساری دنیا میں مسلمانوں کی شہرت ہو گئی

تیرے صدقے ہم جہنم سے نکل کر آ گئے
تیرے صدقے ارضِ پاکستان جنت ہو گئی

تیری عظمت تیرے ان مٹ کارنامے پر نثار
جان و دل سے آج پوری قوم و ملت ہو گئی

جاں نثارانِ وطن کی عظمتوں کو صد سلام
جن کے صدقے ہم کو آزادی ودیعت ہو گئی

تو نے دیکھا بھی نہیں کچھ دن فروغِ مملکت
ہائے کتنی جلد قائد تیری رحلت ہو گئی

مر کے بھی زندہ رہے گا نام تیرا حشر تک
زندہ و پائندہ تیری خاکِ تربت ہو گئی

گرچہ اے دلؔ قیمتی جانیں گئیں اس راہ میں
ہاں ادا لیکن لہو کی ساری قیمت ہو گئی

تلاش کیجئے

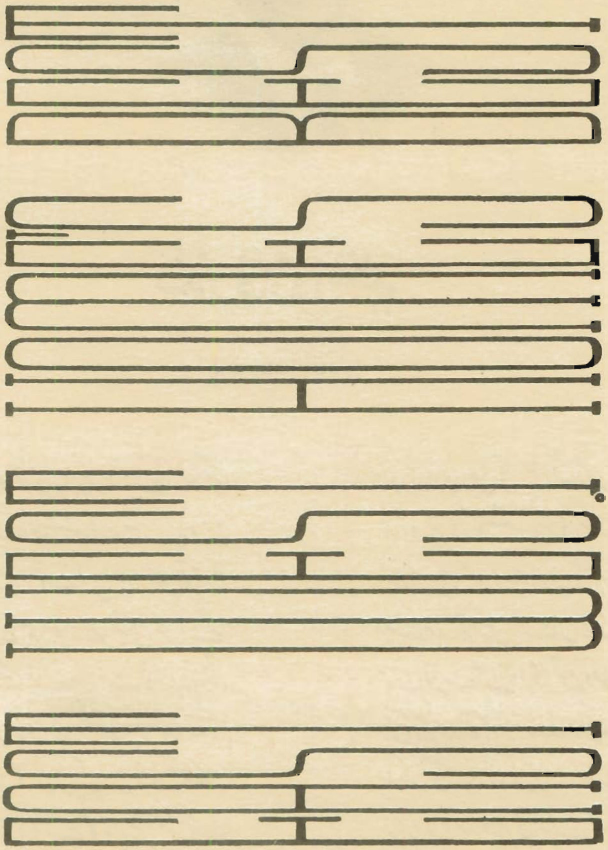

ان لکیروں میں انگریزی کا پرانا محاورہ چھپا ہوا ہے

نیا سلسلے وار ناول پہلی قسط

سیّد عبدالعزیز عزمی

پناہ

"دیکھو بیٹا... زیادہ دور نہیں جانا..." بیگم رشید نے حنیف سے کہا...

"اچھا امّی جان... زیادہ دور نہیں جاؤں گا... بس ذرا سامنے والی پہاڑی تک سیر کروں گا..." حنیف نے جواب دیا۔

"کہاں جانے کا پروگرام بن رہا ہے... ہم بھی جائیں گے..." ناہید اور یاسمین کمرے کے اندر داخل ہوتے ہوئے بولیں

"نہیں بھئی...! میں تو اکیلا ہی جاؤں گا..." حنیف نے جلدی سے کہا...

"نہیں امّی جان... ہم دونوں بھی جائیں گی..." ناہید نے ضد کرتے ہوئے جواب دیا...

"نہیں جناب میں اپنی سیر کا پروگرام خراب نہیں کرنا چاہتا..." ویسے بھی تم لوگ اپنا ہوم ورک کرو... ابھی ابو آکر ہوم ورک چیک کریں گے..." حنیف نے فوراً کہا...

"ہم نے اپنا اپنا ہوم ورک کر لیا ہے... بس ہم بھی ضرور جائیں گے..." دونوں نے ہار نہ مانتے ہوئے کہا...

"ٹھیک ہے... بیٹا لے جاؤ... ذرا ان کا بھی دل بہل جائے گا..." امّی جان نے بھی اجازت دے دی...

اس پر دونوں نے "ہُرّے" کا نعرہ لگایا... لیکن چلتے چلتے بھی امّی جان نے تاکید کی کہ "دیکھو...! سامنے والی پہاڑی سے نیچے مت جانا ورنہ دشمن فوج کا خطرہ ہوگا..."

"ٹھیک ہے ... امی جان ہم احتیاط رکھیں گے ..." یہ کہہ کر تینوں بھائی بہن گھر سے سیر کرنے چل دیئے ...

حنیف ناہید اور یاسمین پر مشتمل ہنستا بستا گھرانہ میجر رشید اور ان کی بیگم کے لیے کل کائنات تھا... رشید صاحب فوج میں میجر کے عہدے پر فائز تھے ... ان لوگوں کا خوبصورت سا گھر سرحدی علاقے میں واقع تھا... دشمن کی سرحد یہاں سے قریب ہی تھی ... یہاں کی آبادی کچھ زیادہ نہیں تھی ... تینوں بچوں کو بہت کم باہر نکلنے دیا جاتا تھا... کیونکہ دشمن فوج کا ہر لمحے دھڑکا لگا رہتا تھا...

"اللہ کتنا خوبصورت منظر ہے ..." خوبصورت پہاڑیاں دیکھتے ہوئے ناہید کے منہ سے یہ جملہ بے اختیار نکلا۔ وہ تینوں اس وقت ایک چھوٹی سی پہاڑی پر کھڑے تھے ۔ یہاں ہر طرف سبزہ ہی سبزہ نظر آتا تھا۔ حنیف کو بھی یہ منظر پسند تھا۔ وہ بھی لطف اندوز ہو رہا تھا۔ اچانک اس کی نگاہ سامنے پہاڑی کے پیچھے پڑی۔ اسے یہاں دشمن فوج کے سپاہیوں کا ایک دستہ نظر آیا۔ اس نے اپنی بہنوں کو اس طرف متوجہ کیا۔ ان سپاہیوں کا رُخ ان کے گاؤں کی طرف تھا۔ یہ تینوں اس وقت سیر کرتے کرتے گاؤں سے باہر نکل آئے تھے۔ لہٰذا وہ دیوانہ وار گاؤں کی جانب بڑھے۔ مگر گاؤں کے قریب پہنچ کر اُن کو رُکنا پڑا۔ کیونکہ ان کے قصبے کو دشمن فوجیوں نے اپنے گھیرے میں لے لیا تھا۔ یہ دیکھ کر حنیف نے عقلمندی سے کام لیا۔ اور اپنی بہنوں کو لے کر ایک محفوظ پہاڑی کے پیچھے چلا گیا۔ اُن تینوں کا ذہن اس وقت اپنے گھر کے متعلق سوچ رہا تھا۔

تینوں بچوں کے باہر جانے کے بعد بیگم رشید گھر کے کاموں میں مصروف ہو گئیں۔ تھوڑی دیر بعد ہی میجر رشید بھی گھر آ گئے۔ اُن کے ہاتھ میں کچھ کاغذات تھے ۔ سب سے پہلے انھوں نے تینوں بچوں کے بارے میں پوچھا۔ بیگم رشید نے بتایا۔ "وہ لوگ سیر کو گئے ہیں۔" میجر رشید مسکرائے اور پھر کہا۔ "ٹھیک ہے۔" "تم مجھے ایک کپ چائے کا لا دو۔" بیگم رشید چائے بنانے چلی گئیں۔ اور میجر رشید کاغذات کا مطالعہ کرنے لگے ۔ انھیں مطالعہ کرتے ابھی کچھ ہی دیر ہوئی تھی۔ کہ اچانک کسی نے دروازے پر دستک دی۔ وہ اُٹھے اور سب سے پہلے کاغذات کو اپنے سیف میں رکھا۔ اتنے میں بیگم رشید دروازہ کھول چکی تھیں۔ دشمن فوجی دروازے پر کھڑے تھے ۔ دروازہ کھلتے ہی وہ دندناتے ہوئے گھر میں گھس آئے ۔ اور بندوق کے زور پر بیگم رشید کو لے کر اُس کمرے میں چلے آئے ۔ جس کمرے میں میجر رشید موجود تھے۔ اندر داخل ہوتے ہی میجر رشید کو انھوں نے نشانے پر رکھ لیا۔

"کیا چاہتے ہو تم ۔" میجر رشید پُرسکون آواز میں بولے ۔ اس فوجی نے جو ان کا سرغنہ نظر آ رہا تھا۔ کرخت لہجے میں کہا

a great new taste
mayfair
Fruta Chew
Chew it, you'll love it.
Fruta Chew
Fruta Chew
mayfair
– the sweet favourites

اِتنے سارے پھلوں کا
تازہ نِکھرا رُوپ
احمد
مِکسڈ فروٹ جام
TASTE AHMED PRESERVES IT
AHMED'S
JAM
MIXEDFRUIT

"ہمیں وہ کاغذات چاہئیں۔ جو آج تمھیں ہیڈ کوارٹر سے ملے ہیں۔"

"کاغذات کیسے۔ کاغذات۔"

"اب زیادہ بنو نہیں۔ تمھیں سب معلوم ہے۔ جلدی سے بتاؤ۔ وہ کاغذات کہاں ہیں۔" سرغنہ کا لہجہ بدستور سخت تھا "مجھے نہیں معلوم۔ اب تمھیں ڈھونڈنا ہے۔ تو ڈھونڈ لو۔!" میجر رشید نے مُسکرا کر کہا۔ اچانک ایک فوجی جلدی سے بولا۔ "سر یہ وقت گزاری کر رہا ہے۔ تاکہ اس کے ملک کے فوجی مدد کو پہنچ جائیں۔" اُس فوجی کی بات سُن کر اُن کا آفیسر میجر رشید کو گھورنے لگا۔ پھر بولا۔ "ٹھیک ہے۔! اگر تم نہیں بتاؤ گے تو کیا ہوا۔ ہم تلاشی لیں گے۔ چلو۔ تم لوگ اس گھر کا کونا کونا چھان مارو۔" آخری جملہ اُس نے اپنے فوجیوں سے کہا تھا۔ حکم ملتے ہی وہ لوگ گھر کی تلاشی لینے لگے۔ اب میجر رشید فکر مند ہو گئے۔ کیونکہ کاغذات ان کے سیف میں رکھے ہوئے تھے۔ اور سیف کی طرف ان فوجیوں کے ہاتھ بس پہنچا ہی چاہتے تھے۔ اور ہوا بھی یہی سب فوجی اب سیف کے گرد جمع ہو گئے۔ آفیسر نے کہا۔ "سیف کی چابی نکالو۔" مگر میجر رشید خاموش کھڑے رہے۔ آفیسر پھر چیخا۔ "میں کہتا ہوں چابی دو۔!!!" "نہیں دوں گا چابی چاہے تم مجھے جان سے مارو۔" میجر رشید نے پختہ عزم سے جواب دیا۔ "ہم خواہ مخواہ کی بحث کر رہے ہیں۔ چابی نہیں دیتے تو نہ سہی۔" ایک فوجی نے مُسکرا کر کہا۔ "کیا مطلب۔!!!" آفیسر نے اُسے گھورا۔ "بھئی ہم سب کو یقین ہے کہ ہماری مطلوبہ چیز اسی سیف میں ہے تو سیف ابھی کُھل جاتا ہے۔" یہ کہہ کر اس نے بندوق کی نال سیف کھلنے والے تالے سے لگائی۔ اور ٹریگر دبا دیا۔ ایک ہلکی سی دھماکے کی آواز سنائی دی۔ شاید بندوق پر سائیلنسر لگا ہوا تھا۔ سیف کا تالہ ٹوٹ گیا۔ اور فوجی آفیسر نے بے تابانہ انداز سے سیف میں جھانکا پھر اُسے ایک کونے میں اپنے مطلوبہ کاغذات نظر آ گئے۔ اُس نے نقدی کی طرف آنکھ اُٹھا کر بھی نہ دیکھا اور فوراً کاغذات اُٹھا لیے۔ پھر ان کو جلدی سے کھول کر دیکھنا شروع کر دیا۔ اِسی فوجی نے کہا۔ "جناب اَب جلدی کیجیے۔! ورنہ دشمن کے سپاہی آتے ہی ہوں گے۔" آفیسر نے جب کاغذات کو غور سے دیکھا تو پتہ چلا کہ یہ سب کاغذات کوڈ نمبر میں تھے۔ وہ چلّایا۔ "تم ... تم ....اِن کاغذات کو جلدی سے ڈی کوڈ کرو۔ ورنہ ...!" "سوری آفیسر۔ میں اس کو ڈی کوڈ کرنا نہیں جانتا۔" میجر رشید نے لاپرواہی سے کندھے اُچکائے۔ آفیسر چند لمحے دانت پیستا رہا۔ پھر بولا۔ "ضرور تم وقت گزار رہے ہو۔ چلو ساتھیوں اس کو پکڑ کر لے چلو اپنے ہیڈ کوارٹر۔ میں اس سے سب کچھ اُگلوا لوں گا۔ پکڑ کر لے چلو اسے۔" فوجیوں نے پلک جھپکتے میں میجر رشید کو جکڑ لیا۔ اور دروازے کی طرف دھکیلنے لگے۔ اسی لمحے بیگم رشید بھی شوہر کو بچانے سامنے آ کھڑی ہوئیں۔ آفیسر نے چند لمحے صورتِ حال کا اندازہ کیا۔ پھر بولا۔ "اس کی بیوی کو بھی لے چلو۔ فوجیوں نے بیگم رشید کو بھی گھیرے میں لے لیا۔ اور پھر وہ دونوں کو دھکیلتے ہوئے گھر سے باہر نکل آئے۔ پورا قصبہ سنسان پڑا تھا۔ تمام لوگ دشمن فوجیوں کو دیکھ کر گھروں میں دبک گئے تھے۔ دشمن فوجی ان لوگوں کو لے کر سرحد کی جانب بڑھنے لگے

حنیف کی نظریں مستقل ان فوجیوں پر لگی ہوئی تھیں۔ جو قصبہ سے باہر جانے والی سڑک پر کھڑے نگرانی کر رہے تھے۔ تقریباً بیس منٹ بعد دو فوجی ان فوجیوں کے پاس قصبہ سے آئے۔ اور ان فوجیوں سے گفتگو کرنے لگے۔ اس کے بعد وہ تمام فوجی وہاں سے قصبہ کے اندر چلے گئے۔ اب میدان صاف نظر آرہا تھا۔ ناہید اور یاسمین نے آگے بڑھنا چاہا۔ مگر حنیف ابھی بھی کوئی خطرہ مول نہیں لینا چاہ رہا تھا۔ اُس نے ان دونوں کو روک دیا۔ پندرہ منٹ گزر جانے کے بعد وہ ان دونوں کے ہمراہ گاؤں کی طرف بڑھا۔ اُن تینوں کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ آخر یہ دشمن فوج کے سپاہی یہاں کیا کرنے آئے تھے۔ وہ اس بات سے بے خبر تھے کہ ان کے گھر میں کیا قیامت ٹوٹ چکی ہے۔ قصبہ کے اندر جونہی یہ داخل ہوئے تو فوراً ہی ان کے قدم گھر کی جانب بڑھنے لگے۔ اب یہاں کوئی دشمن کا فوجی نظر نہیں آرہا تھا۔ گھر کے قریب پہنچ کر وہ لوگ ٹھٹھک کر رُک گئے۔ اُن کے گھر کے قریب اُن کے اپنے فوجی کھڑے تھے۔ اور گاؤں کے لوگ بھی وہاں جمع تھے۔ ان کا دل دھڑکنے لگا۔ وہ گھر میں داخل ہوئے تو امّی ابّو کہیں نظر نہیں آئے۔ اندر کمرے میں ان کی اپنی فوج کا کیپٹن کھڑا تھا۔ وہ اس کو جانتے تھے کیونکہ وہ اکثر ان کے ابّو کے ساتھ گھر پر آتا رہتا تھا۔ حنیف نے اُس سے پوچھا۔" انکل۔! امّی ابّو کہاں ہیں۔ اور دشمن فوج کے فوجی یہاں اس قصبے میں کیوں آئے تھے۔!" کیپٹن نے تینوں بچّوں کو اپنے قریب بلایا اور کہا دیکھو بچّو تمھارے امّی ابّو کو دشمن کے کمینے فوجی اپنے ساتھ لے گئے ہیں۔!"

"کیا۔!!! تینوں بچّوں کے منہ سے بے ساختہ نکلا۔

"ہاں بچّو۔! مگر تمھیں پریشان ہونے کی ضرورت نہیں۔ ہم اُن کو تلاش کر رہے ہیں۔ جلد ہی تم کوئی اچھی خبر سنو گے" مگر ان تینوں بچّوں کو تو اس خبر سے جیسے سکتہ سا ہو گیا تھا۔ پھر ناہید اور یاسمین پھُوٹ پھُوٹ کر رونے لگیں۔ دُکھ تو حنیف کو بھی ہوا تھا مگر اس نے سوچا کہ اگر میں بھی رونے لگا تو ان دونوں بہنوں کو کون سنبھالے گا۔

آج میجر رشید اور بیگم رشید کو گئے ہوئے پندرہ دن ہو چکے تھے۔ کیپٹن فہیم ہر روز ان کو تسلّی دینے آتا۔ اب تو ان بچّوں کی آنکھیں بھی روتے روتے خشک ہو گئیں تھیں۔ آج بھی کیپٹن فہیم ان کے گھر آیا ہوا تھا۔ وہ اُن سے کہہ رہا تھا کہ۔" آپ لوگوں کا اگر کوئی رشتہ دار ہو تو مجھے بتائیں۔ میں آج ہی آپ کو وہاں پہنچا دوں گا۔ کیونکہ آپ کا یُوں اکیلے گھر میں رہنا ٹھیک نہیں ہے۔!"

"مگر ہمارا کوئی سگا رشتہ دار نہیں ہے۔ البتہ ہمارے ایک رشتے کے چچا ہیں۔" حنیف نے دھیمے لہجے میں جواب دیا۔ "ٹھیک ہے۔ میں آپ کو وہاں پہنچا دیتا ہوں۔ جب تک آپ کے والدین نہیں آجاتے۔ آپ وہیں پر رہیں۔" کیپٹن فہیم نے ان سے کہا۔

"ہم وہاں ضرور چلے جائیں گے۔ مگر کیا واقعی ہمارے ابّو امّی واپس نہیں آسکیں گے۔" یاسمین نے رندھی ہوئی آواز میں پوچھا۔

"نہیں بھئی۔! اللہ پر اُمید رکھو۔! وہ ضرور دشمن فوج سے چھوٹ کر آئیں گے۔" کیپٹن فہیم نے انھیں پھر تسلّی دیتے ہوئے کہا۔

"آپ دشمن فوج پر حملہ کرکے امّی ابّو کو کیوں نہیں چھڑا لیتے۔" ناہید نے جوش سے کہا۔

"بھئی ہم ایسا نہیں کر سکتے۔ تم تو جانتے ہو کہ ہمارے دشمن ملک کی پشت پناہی کرنے والا کتنا طاقتور ملک ہے اب اگر ہم اس پر حملہ کرتے ہیں تو وہ فوراً اس کی مدد کو آئے گا۔ اور ہمارے لیے مشکلات کھڑی ہو جائیں گی۔" کیپٹن فہیم نے انھیں مطمئن کرنے کی کوشش کی۔

پھر اس نے پوچھا کہ "اب بتاؤ۔ تمھارے رشتے کے چچا کہاں رہتے ہیں۔"

"وہ آگے پہاڑی کے دامن میں واقع وادی میں رہتے ہیں۔ وہاں اُن کے کھیت ہیں۔ اور باغات بھی ہیں۔" حنیف نے کہا۔

"ٹھیک ہے تم لوگ اپنا ضروری سامان لے لو۔ میں تم کو وہاں چھوڑ آتا ہوں۔" کیپٹن فہیم نے کہا۔ اور ان تینوں بچّوں نے سر ہلا دیا۔

چچا جان نے شروع میں تو بہت محبّت دکھائی۔ جب کہ چچی صاحبہ کا رویّہ اچھا نہ تھا۔ چچا جان کی محبّت کی وجہ سے چچی ان کے سامنے تو کچھ نہیں کہتی تھیں۔ مگر اُن کے پیچھے اِن تینوں سے سختی سے پیش آتی تھیں۔ ناہید اور یاسمین کو تو انھوں نے باورچی خانے میں لگا دیا تھا۔ اور حنیف کے روپ میں تو انھیں باہر کے کام کاج کے لیے اچھا خاصا نوکر مل گیا تھا۔ اس کی جان الگ آفت میں رہتی۔ پورے ہفتے کا سودا منگوایا جاتا تھا۔ کچھ دنوں کے بعد چچا جان نے بھی حنیف کو اپنے ساتھ کھیت میں کام سے لگا لیا۔ اور اب تو وہ حنیف کو ہاتھوں سے مارنے بھی لگے تھے۔ ناہید اور یاسمین جنھوں نے اپنی امّی کے ساتھ کبھی باورچی خانے کا کام نہیں کیا تھا۔ اب اُن کو سب کچھ کرنا پڑتا۔ بھلا دس گیارہ سال کی لڑکیاں کتنا کام کر سکتی تھیں۔ تھک کر چُور ہو جاتیں۔ اور کام میں سُستی ہو جاتی تو چچی جان مار مار کر اُن کے گال سُرخ کر دیتیں۔

حنیف کو یہ سب کچھ ایک آنکھ نہیں بھاتا تھا۔ اُس کا دل اپنی بہنوں اور خود کے ساتھ ظلم وستم دیکھ کر کُڑھتا رہتا تھا۔ اُسے اپنی اور بہنوں کی پڑھائی چھوٹنے کا بھی بڑا افسوس تھا۔ اس گاؤں سے تھوڑی دور باہر ایک اسکول

تھا۔ مگر اُن کے چچا جان نے انھیں مزید پڑھائی سے روک دیا تھا۔ اور یہ سب کچھ صرف چچی کے کہنے پر ہوا تھا۔ وہ نہیں چاہتی تھیں کہ اتنے اچھے کام کرنے والے نوکر اُن سے چھوٹ جائیں۔

اِس بستی میں اِن کا صرف ایک دوست بنا تھا۔ وہ علی تھا۔ علی کا بھی اِس دنیا میں کوئی نہیں تھا۔ اُس کے ماں باپ اُس کے ہوش سنبھالنے سے پہلے ہی وفات پا گئے تھے۔ وہ بچپن سے اپنے خالہ خالو کے ساتھ رہتا آیا تھا۔ خالہ زندہ تھیں تو علی کے دن مزے میں گزر رہے تھے۔ مگر خالہ کے انتقال کے بعد خالو نے اُسے صرف اور صرف نوکر سمجھا تھا۔ وہ تمام وقت خالو کے فارم میں کام کرتا رہتا تھا۔ اتنا کام کرنے کے باوجود اُس کے خالو اس پر بے جا سختیاں کرتے تھے۔ علی کو ان تینوں بہن بھائیوں کی حالت کا پتہ تھا۔ اُس نے تو خیر شروع سے بُرے دن دیکھے تھے۔ مگر اُسے دُکھ صرف اس بات کا تھا کہ ان تینوں بہن بھائیوں نے تو اچھے دن دیکھ رکھے تھے۔ اور اب انھیں بدقسمتی سے بُرے دن دیکھنے پڑ رہے تھے۔

آج بھی وہ کام سے فارغ ہو کر ان تینوں سے ملنے چل دیا۔ تینوں بہن بھائی اتفاق سے اُسے اپنے کھیتوں کے باہر ہی گھاس پر بیٹھے مل گئے۔ اس نے دیکھا کہ یاسمین کی آنکھوں میں آنسو ہیں اور وہ رو بھی رہی تھی۔ علی اور ناہید اُسے چُپ کرا رہے تھے۔ اور تسلّی بھی دے رہے تھے۔ مگر یاسمین تھی کہ چُپ ہونے کا نام ہی نہ لے رہی تھی۔ علی نے پہنچ کر ہی اُسے چھیڑا "دیکھو۔! اتنا مت روؤ۔! ورنہ ہمارے خالو کے کھیت بہہ جائیں گے۔ اس بات پر حنیف اور ناہید ہنس پڑے۔ مگر یاسمین برابر روئے جا رہی تھی۔

"آخر بات کیا ہے۔؟ کیوں یہ رونا دھونا ہو رہا ہے۔؟" علی نے جھنجھلا کر پوچھا۔

"کچھ نہیں یار۔ وہی روز کا معاملہ ہے۔ آج بھی بے چاری یاسمین سے برتن ٹھیک طرح نہیں دُھلے تو بس پھر کیا تھا چچی جان نے مار مار کر گال سُرخ کر دیے۔" حنیف دُکھ بھرے لہجے میں بولا۔

"یہ تو بڑے افسوس کی بات ہے اور اس کا کوئی نہ کوئی حل ہونا چاہیئے۔" علی نے افسردگی سے کہا۔

"یہ سب ہمارے اوپر ظلم و ستم امّی ابّو کے نہ ہونے کی وجہ سے ہو رہے ہیں۔ چچی کہتی ہیں کہ اب تمھارے امّی ابّو کبھی واپس نہیں آئیں گے۔" ناہید نے کہا۔

"نہیں مجھے یقین ہے کہ امّی ابّو ضرور آئیں گے۔ چچی جان جھوٹ کہتی ہیں۔" حنیف نے مضبوط لہجے میں کہا۔

"اب کتنا عرصہ ہو گیا۔ تمھارے ابّو کو گئے ہوئے۔؟" علی نے پوچھا۔

"گئے ہوئے کیا۔ یوں سمجھو کہ ہمیں یہ ظلم و ستم سہتے ہوئے سات مہینے سے زیادہ ہو گئے ہیں۔" حنیف نے

تلخی سے جواب دیا۔

"بے فکر رہو۔ اور یاسمین تم بھی خاموش ہو جاؤ۔ اللہ کے یہاں دیر ہے پر اندھیر نہیں ہے۔ مجھے یقین ہے کہ تمھارے امّی ابّو ضرور واپس آئیں گے۔" علی نے اُمید بھرے لہجے میں تسلّی دیتے ہوئے کہا۔

اس بات پر یاسمین نے اپنے آنسو پونچھ لیے۔ تینوں بہن بھائیوں کے دل میں علی کی بڑی عزّت تھی۔ اُس کی باتیں سُن کر انھیں بڑی تسلّی ہو جاتی تھی۔ ویسے بھی علی بے حد ذہین لڑکا تھا۔ وہ اس وادی کی ہر بات سے واقف تھا۔ اُسے یہ بھی پتہ تھا کہ سب سے میٹھے اور رسیلے پھل کس درخت میں لگتے ہیں۔ کون سے پرندے کے گھونسلے کس درخت پر ہیں۔ کیوں کہ وہ یہیں پلا بڑھا تھا لہٰذا وہ یہاں کے ندی نالوں، دریاؤں اور پہاڑوں سے بھی واقف تھا۔ وہ حنیف سے تقریباً دو سال بڑا تھا۔ اُسے اپنے خالو کی مار اور ڈانٹ ڈپٹ پر اتنا افسوس کبھی نہ ہوا جتنا آج اُسے اِن لوگوں سے ہو رہا تھا۔ وہ سوچ میں ڈوب گیا۔

حنیف پھر بولا "چچا چچی نے تو ہمیں نوکروں سے بھی بدتر حالت میں رکھا ہوا ہے۔ ہمیں اسکول بھی نہیں جانے دیتے۔ مجھے سارا دن باغ میں کام کرنا پڑتا ہے۔ اور ناہید اور یاسمین سے گھریلو کام کرائے جاتے ہیں۔ کھانا پکانا کپڑے دھونا اور فرش صاف کرنا۔ غرض کہ ہر کام اِن سے کرواتے ہیں۔ البتہ اگر کبھی گھر میں کوئی مہمان آجائیں تو دکھاوے کے طور پر ہم سے ہنس بول کر بات کر لی جاتی ہے۔ ورنہ تو ...."

حنیف یہاں تک کہہ کر خاموش ہو گیا۔ پھر ناہید بولی "اور کل مجھ سے روٹی پکاتے ہوئے ایک روٹی جل گئی تو چچی نے مار مار کر مجھے اَدھ موا کر دیا۔ اور رات کا کھانا بھی مجھے نہیں دیا۔" اس کی بات سن کر حنیف کو یاد آیا وہ فوراً بولا۔ "اور جب مجھے معلوم ہوا کہ تمھیں کھانا نہیں ملے گا اور تم بھوکی ہو تو میں نے ——— اپنے حصّے کا کھانا رکھ لیا اور رات کو میں چپکے سے تمھیں دینے کے لیے جب سیڑھیوں کی طرف بڑھا تو چچا نے مجھے دیکھ لیا۔ اور ایسی ڈانٹ پلائی کہ مجھے واپس لوٹنا پڑا۔ اِدھر یاسمین کو بھی آج کا واقعہ یاد آگیا۔ وہ کہنے لگی "علی بھائی اب آپ ہی بتائیں کہ بھلا مجھ سے پلنگ کی چادریں دُھل سکتی ہیں، جیسے تیسے کر کے میں نے وہ دھوئیں تو تھکن سے ایسی چور ہو گئی تھی کہ برتن دھوتے ہوئے مجھ سے کچھ صابن برتن میں لگا رہ گیا۔ بس پھر کیا تھا، میرا چہرہ تھا اور چچی جان کا تھپّڑ تھا۔"

"تم لوگوں کی تو مجھ سے بھی زیادہ بُری حالت ہے۔ میں نے تو خیر بُرے دن شروع سے دیکھے ہیں مگر تم لوگوں نے تو اچھے دن بھی دیکھ رکھے ہیں۔ پہلے تمھیں جو چاہتے تھے وہ چیز مل جاتی تھی، مگر اب ... تو تمھارے پاس امّی ابّو بھی نہیں ہیں۔" علی نے افسردگی سے کہا۔

"اور تمھارا بھی تو کوئی نہیں ہے سوائے خالو کے، اور وہ بھی تم پر ظلم و ستم کر رہے ہیں" حنیف نے کہا۔

"ہاں بس خالو ہی ہیں، مگر اب وہ بھی گاؤں سے شہر میں جانے کا پروگرام بنا رہے ہیں، وہ اپنی زمین بھی بیچ دیں گے، مگر انھوں نے چلنے کو نہیں کہا ہے، شاید وہ مجھے یہیں پر —— چھوڑ جانا چاہتے ہیں۔" علی نے جواباً کہا

"پھر آپ کیا کریں گے علی بھائی" یاسمین نے پوچھا

"میں تو کچھ نہ کچھ کر ہی لوں گا، مگر مجھے تم لوگوں کی فکر ہو رہی ہے، کیوں کہ تم لوگوں کی زندگی واقعی اجیرن کر دی گئی ہے۔" علی نے سوچتے ہوئے جواب دیا۔

"کاش کوئی ایسی جگہ ہوتی جہاں ہم بھاگ جاتے، اور کبھی اس گھر میں واپس نہیں آتے"۔ ناہید نے حسرت سے کہا

"کوئی فائدہ نہیں ہوتا، ہمیں فوراً ہی ڈھونڈ لیا جاتا، پولیس تو ضرور ہمیں ڈھونڈ نکالتی"۔ یاسمین نے جواب دیا۔

"سنو۔ اب مجھے ایک ایسی جگہ کا پتہ ہے، جہاں ہم بھاگ کر چھپ سکتے ہیں، اور پولیس تو کیا کوئی بھی ہمیں ڈھونڈ نہیں سکتا وہ جگہ ہے ہی بہت خفیہ" علی نے آہستہ آواز میں ان تینوں کی طرف جھک کر کہا۔

"کیا۔! واقعی ایسی جگہ ہے، جہاں ہم جا سکتے ہیں، اگر ایسا ہے تو میں ضرور اپنی بہنوں کو لے کر وہاں جاؤں گا، کیوں کہ مجھ سے چچی کا یہ ظلم برداشت نہیں ہوتا۔ علی تم بتاؤ، وہ جگہ کہاں ہے؟" حنیف نے بے تابی سے کہا۔

"بھئی میں تمھیں بتا دوں گا، مگر تمھیں وعدہ کرنا ہوگا کہ تم اس جگہ کا کسی سے ذکر نہیں کرو گے"۔ علی نے کہا۔

"نہیں علی بھائی ہم اس کا ذکر کسی سے بھی نہیں کریں گے، آپ کا یہ راز ہمارے سینوں میں اپنے راز کی طرح چھپا رہے گا"۔ ناہید اور یاسمین نے بھی یک زبان ہو کر جواب دیا۔

"ٹھیک ہے، بھئی وہ جگہ ایسی ہے کہ جہاں ہم سالوں چھپ کر رہ سکتے ہیں، اور کسی کو خبر بھی نہیں ہو گی" علی رازدارانہ لہجے میں بولا۔

"وہ جگہ کہاں ہے، علی بھائی"۔ تینوں بچوں نے ایک ہی لمحے کہا۔ "بھئی وہ جگہ سمجھو ایک جزیرہ ہے، خفیہ جزیرہ وہاں پر کوئی انسان تفریح کے لیے نہیں گیا ہے، اور وہ ہے بھی سب کی نظروں سے چھپا ہوا، اور وہاں کوئی جانور بھی نہیں ہے، اور نہ کوئی آبادی ہے۔ ایسا کرو تم آج رات کے کھانے کے بعد آٹھ بجے جھیل کے کنارے آجاؤ، میں تمھارا انتظار کروں گا۔ ٹھیک آٹھ بجے سمجھے" علی نے جلدی جلدی کہا۔ کیوں کہ اُسے یاد آگیا تھا کہ خالو نے اُس سے کچھ سامان منگوایا تھا اور وہ بھول گیا تھا۔

"مگر علی تم ہمیں اسی وقت وہ جزیرہ دکھاؤ" حنیف نے جلدی سے کہا

"ابھی نہیں... ابھی مجھے خالو کا سامان لینا ہے، اگر دیر ہو گئی تو میری پٹائی ہو جائے گی"۔ علی نے چلتے ہوئے کہا۔ "مگر دیکھو ٹھیک آٹھ بجے ضرور پہنچ جانا"۔

"ہم ضرور آٹھ بجے آئیں گے، علی بھائی"۔ حنیف نے گردن ہلا کر کہا' اب یاسمین بھی خاموش ہوگئی تھی' اور اُس نے اپنے آنسو پونچھ لیے تھے' علی تیز تیز قدموں سے آگے بڑھ گیا۔ تو ان تینوں بچّوں نے بھی گھر کا رُخ کیا' وہ سوچ رہے تھے کہ اب چچی ضرور ان کو ڈانٹے گی' کیوں کہ اُن کو بہت دیر ہوگئی تھی' ناہید سوچ رہی تھی کہ اُسے اب باورچی خانہ دھونا پڑے گا' اُسے اب یہ بھی خوف محسوس ہو رہا تھا کہ چچی اُسے یقیناً ہر قدم پر ڈانٹے گی۔

"مجھے تو گائے اور گھوڑے کے لیے چارہ لانا ہے' اور پھر چچا کے ساتھ مل کر فارم پر کام کرنا ہے۔ حنیف نے اِن دونوں سے کہا"۔ مگر خیال رکھنا ہمیں آٹھ بجے ضرور علی کے ساتھ جزیرہ دیکھنے جانا ہے"۔ ناہید نے تاکید کی'

"ٹھیک ہے ہم ضرور جائیں گے"۔ "میں جلد آنے کی کوشش کروں گا"۔ حنیف نے کہا۔

گھر پہنچ کر وہ تینوں اپنے اپنے کاموں میں جُٹ گئے۔ آج ان کا دل کام میں نہیں لگ رہا تھا' بار بار ان کا دھیان خفیہ جزیرے کی جانب جاتا تھا' وہ جگہ کیسی ہوگی' ہم وہاں کیسے رہیں گے؟ وہاں ہم کس طرح پہنچیں گے' یہی وجہ تھی کہ کام ان سے ٹھیک طرح نہیں ہو رہا تھا۔ ناہید سے باورچی خانے میں پانی کی بالٹی اُلٹ گئی' اُسے چچی نے بے حد ڈانٹا' اُسے باورچی خانہ دوبارہ دھونا پڑا۔ اِدھر یاسمین کپڑے دھوتے ہوئے نلکا بند کرنا بھول گئی پورے آنگن میں پانی بھر گیا' نتیجتاً اُسے گالوں پر تھپڑ کھانے پڑے' حنیف سے باغ میں بیجوں کی ٹوکری اُلٹ گئی۔ اور چچا نے ڈانٹا ڈپٹا' حنیف چُپ سادھ کر رہ گیا۔ اُس نے سوچا کہ اگر یہ ہمارے سگے چچا ہوتے تو کیا پھر بھی ہمارے ساتھ ایسا سلوک کرتے۔ اگر علی کو واقعی ایسی خفیہ جگہ کا پتہ ہے، جہاں انھیں کوئی نہیں ڈھونڈ سکے تو وہ ضرور اپنی بہنوں کو لے کر یہاں سے بھاگ جائے گا۔

کام سے فارغ ہونے کے بعد تینوں بچّوں نے روکھی سوکھی روٹی کھائی۔ انھیں ڈر تھا کہ اگر وہ کچھ بولے تو انھیں پھر جھڑکیاں سننے کو ملیں گی۔ انھوں نے خاموشی سے کھانا کھایا۔ کھانے کے بعد انھوں نے چچی سے کہا کہ "وہ ذرا کھیتوں تک گھوم کر آ رہے ہیں"۔

"کوئی ضرورت نہیں ہے۔ بس اب تم لوگ سو جاؤ' تاکہ صبح کام کاج کے لیے جلد اٹھو ... سمجھے"۔ چچی نے سخت لہجے میں جواب دیا۔

اب کچھ کہنے سننے کی بھی گنجائش نہیں تھی۔ وہ خاموشی سے اُٹھ کر اوپر اپنے کمرے میں چلے گئے۔ یہ کمرہ بھی کمرہ کہلانے کا مستحق ہرگز نہ تھا۔ ایک کوٹھری سی تھی کہ جس میں صرف دو چار پائیاں بچھی ہوئی تھیں۔ جن پر بستر بھی برائے نام تھا۔ دونوں لڑکیوں کو ایک ہی بستر پر سونا پڑتا تھا' وہ سوچ رہے تھے کہ علی جھیل کے کنارے ضرور ان کا انتظار کر رہا ہوگا۔

"اب کیا کریں۔!!" ناہید نے بے چینی سے کہا

"ابھی ٹھہرو۔ میں نیچے دیکھتا ہوں، اگر چچا چچی سو گئے ہوں گے تو ہم چھپ کر نکل چلیں گے۔" حنیف نے آہستگی سے جواب دیا۔ پھر وہ دبے ہوئے قدموں سے نیچے چلا گیا۔ تھوڑی دیر بعد آ کر اس نے بتایا "چچا چچی اپنے کمرے میں جا چکے ہیں، اب ہم چھپ کر نکل سکتے ہیں۔"

تینوں بہن بھائی چھپ کر چپ چاپ گھر سے باہر نکل آئے۔ اب وہ بھاگے بھاگے جھیل کے کنارے کی طرف جا رہے تھے جہاں علی اُن کا انتظار کر رہا تھا۔ "بھئی میں تو سمجھ رہا تھا کہ اب تو تم نہیں آپاؤ گے۔"

"بھئی ہمیں اس لیے دیر ہو گئی کہ ہم چھپ کر آئے ہیں۔ چچا چچی نے تو ہمیں باہر نکلنے سے بھی منع کر دیا تھا" حنیف نے ہانپتے ہوئے کہا۔

"اب ہمیں جلدی سے وہ جزیرہ دکھا دیجیے" ناہید اور یاسمین نے بھی جلدی سے کہا۔

"کیوں نہیں، چلو میرے ساتھ" علی واپس مڑتے ہوئے بولا۔

علی کے پیچھے چلتے ہوئے وہ جھیل کے کنارے کنارے آگے بڑھتے رہے۔ پھر علی جھیل کے کنارے ایک چھوٹی سی پہاڑی پر چڑھ گیا۔ وہ تینوں بھی اوپر چڑھ گئے۔ علی نے جھیل کے دوسرے کنارے کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا "وہ دیکھو۔۔۔ وہ سامنے، جہاں بڑی سی پہاڑی ہے۔ اور وہاں لمبے لمبے کھجور کے درخت بھی نظر آرہے ہیں۔ بس وہ ہے، ہمارا خفیہ جزیرہ۔۔۔ "ہماری پناہ گاہ"۔

اب وہ جزیرہ حنیف اور یاسمین، ناہید کو بھی نظر آنے لگا تھا۔ چاند کی ہلکی ہلکی چاندنی میں لپٹا ہوا جزیرہ انھیں دُور سے بے حد بھلا لگ رہا تھا۔ وہ مسحور سے ہو کر اُسے دیکھے جا رہے تھے۔ انھیں اس جزیرے سے بڑی اپنائیت ہو رہی تھی۔

"کتنا اچھا ہے یہ جزیرہ۔ بس جی چاہتا ہے کہ ہم پر لگا کر ابھی وہاں پہنچ جائیں۔"

"اچھا بھئی کیا خیال ہے۔" آخر علی کی آواز نے خاموشی کو توڑا۔ "کیا تم میرے ساتھ اس جزیرے میں جانے کے لیے تیار ہو؟"

"ہاں ضرور" تینوں بچّوں نے فیصلہ کن انداز میں جواب دیا۔

کیا چاروں بچے اِس جزیرے میں پہنچ گئے ۔۔۔؟؟؟

جزیرے میں ان کا ولولہ انگیز دن کیسے گزرا ۔۔۔؟

یہ سب اگلی قسط میں پڑھیے ۔۔۔

پروفیسر عنایت علی خان

غرور کا سر نیچا

کردار ۱: لکڑہارا ۲: حجامؔ، پرویز
۳: قاضی ۴: بازار کے لوگ

منظر :- بغداد کا بازار۔ ایک لکڑہارا گدھے پر لکڑیاں لادے بازار سے آواز لگاتا ہوا گزر رہا ہے۔

لکڑہارا :- لاکڑی لیلو، لاکڑی جلانے کی عمدہ لاکڑی۔

پرویز :- اے میاں لکڑہارے! ادھر! کچھ ٹھیک بھی ہیں تمہاری لکڑیاں۔

لکڑہارا: جی ہاں بہترین لکڑیاں ہیں۔ ایک ایک لکڑی چُنی ہوئی ہے۔ بالکل سوکھی، ایک گیلی نہیں۔

پرویز: زیادہ بات کرنے کی ضرورت نہیں۔ پیسے کتنے لوگے؟

لکڑہارا: دس درہم

پرویز: گدھے کی پیٹھ پر جتنی لکڑیاں ہیں سب لوں گا۔

لکڑہارا: ہاں ہاں آدھی کی بات تھوڑا ہی ہو رہی ہے سب دوں گا

پرویز: تو پھر اتار دو سب۔ (لکڑیاں اُتار کر)

لکڑہارا: لیجئے صاحب! اتار دیں پیسے دیجئے۔

پرویز: میاں سب اتار دو۔ ابھی ایک لکڑی باقی ہے۔

لکڑہارا: اب کیا باقی ہے؟ سب تو اتار دیں۔

پرویز: (گدھے کی پشت پر سے کاٹھی اتارتے ہوئے) یہ لکڑی نہیں ہے تو کیا تیرا سر ہے!

لکڑہارا: آپ بھی کمال کرتے ہیں۔ یہ لکڑی ہے یا گدھے کی کاٹھی۔

پرویز: میں کچھ نہیں جانتا میں نے گدھے کی پیٹھ پر لدی ہوئی تمام لکڑی کا سودا کیا تھا اور کاٹھی بھی لکڑی ہی کی ہے۔

لکڑہارا: یہ تو کھلی بے ایمانی ہے۔ لائیے میری کاٹھی اور دس درہم!

پرویز: بے ایمانی؟ میں بے ایمان ہوں؟ (دو چار تھپڑ مار کر) پھر کہے گا مجھے بے ایمان؟

لکڑہارا: لوگو! مجھے اس مکار حجام سے بچاؤ۔

پرویز: (سینہ پُھلا کر) بازار بھر میں کسی کی مجال ہے جو میرے مقابلے میں آئے۔ معلوم بھی ہے خلیفہ کی حجامت بناتا ہوں۔ میرے سامنے آنے والا ابھی بغداد میں پیدا ہی نہیں ہوا ہے۔

لکڑہارا: ہائے ری قسمت صبح ہی صبح کس ظالم سے واسطہ پڑا ہے۔

پرویز: (اسے دوبارہ مارتے ہوئے) یہ لے اور، یہ لے اب جاتا ہے یا!

لکڑہارا: دیکھ اتنا غدر مت کر! خدا کی لاٹھی بے آواز ہوتی ہے کسی مجبور کو ستانا ٹھیک نہیں مجھ غریب کی کاٹھی واپس کر دے۔

پرویز: ابے چل! اپنی لکڑیاں تو سنبھلتی نہیں ہیں خدا کی لکڑی کو لیئے پھر رہا ہے (مونچھوں پر تاؤ دیتے ہوئے) چل راستہ لے ورنہ ابھی یہ گدھا بھی چھین لوں گا۔ میں خلیفہ کی حجامت بناتا ہوں میرا کوئی کچھ نہیں بگاڑ

سکتا۔

(لکڑ ہارا گدھے کی رسّی ہاتھ میں لیئے آنسو پونچھتا ہوا حجّام کی دکان سے آگے بڑھتا ہے چند لوگ ہمدردی کرنے جمع ہو جاتے ہیں)

پہلا دوکاندار : میاں تم نے اچھا کیا کھسک لیئے ورنہ وہ بدمعاش تمہارا گدھا بھی چھین لیتا۔

دوسرا : بھائی وہ تو اوّل نمبر کا غنڈہ ہے تم اس کے چنگل میں کہاں پھنس گئے۔

تیسرا : ہمارا دل چاہ رہا تھا کہ تمہاری مدد کو آئیں مگر بھائی وہ اس بازار کا فرعون ہے اس کے سامنے سچی بات ہے ہم جیسے شریفوں کی دال نہیں گلتی۔

چوتھا : بھائی میرا خیال ہے تم قاضی کے پاس جاؤ شاید وہ تمہاری بات سنے۔

پہلا : مشکل ہے، قاضی منصف ضرور ہے لیکن یہ معاملہ شاہی حجام کا ہے۔

لکڑ ہارا : مجھے تو قاضی کا مکان بھی نہیں معلوم۔

دوسرا : یہاں سے سیدھے چلے جاؤ، جہاں بازار ختم ہوتا ہے وہیں ایک بڑی سی عمارت ہے وہی عدالت ہے (لکڑ ہارا چلا جاتا ہے)

منظر : قاضی کی عدالت۔

لکڑ ہارا : حضور میں لُٹ گیا، میں برباد ہو گیا حضور میری کاٹھی چھین لی مجھے ۔۔۔۔۔۔

قاضی صاحب : تسلّی رکھو تمہارے ساتھ انصاف کیا جائے گا، اطمینان سے اپنی فریاد سناؤ۔

(لکڑ ہارا قاضی کو اپنی فریاد سناتا ہے)

قاضی صاحب : (سارا واقعہ سن کر)

اصل میں اس نے تمہیں بڑی چالاکی سے ٹھگا ہے۔ گدھے کی کاٹھی چونکہ لکڑی کی بنی ہوئی تھی اور تم نے گدھے کی پشت پہ رکھی ہوئی تمام لکڑیاں دس درہم میں بیچ دیں اس لئے اُسے کاٹھی مانگنے کا حق ہے وہ قانون کی زد میں تو نہیں آیا۔ مگر ٹھہرو (کچھ سوچ کر) قریب آؤ (کچھ دیر لکڑ ہارے کی کان میں سرگوشی کرتا ہے)

لکڑ ہارا (مسکراتے ہوئے) بہت اچھا حضور ایسا ہی کروں گا۔ (عدالت سے چلا جاتا ہے)

تیسرا منظر : حجام کی دکان

(لکڑ ہارا دکان میں داخل ہوتا ہے)

پرویز:- (پرویز لکڑہارے کو دیکھ کر) کیوں بے کاٹھی مانگنے آیا ہے کیا؟ کل کی پٹائی بھول گیا:
لکڑہارا:- نہیں بھائی مجھے اپنی غلطی کا احساس ہو گیا ہے معاہدے کے مطابق تمہیں کاٹھی لینے کا حق تھا۔
پرویز:- پھر کیا پیسے لینے آیا ہے؟ پیسے ویسے اب نہیں ملنے کے۔
ہم شاہی حجام ہیں ہم نے کبھی کسی چیز کے دام نہیں دیئے۔ پوچھ لے بازار والوں سے۔
لکڑہارا:- چلو تم پیسے بھی نہ دو، شاہی حجام کی خدمت تو یوں بھی ساری رعایا پر فرض ہے۔
پرویز:- ہاں اب تیرا دماغ ٹھکانے آیا ہے۔ ہمیں ہر ہفتے کے لیے لکڑیوں کا ایک گدھا چاہیئے۔ سمجھا۔
اگر نہیں پہنچایا تو بازار میں آنا بند کر دوں گا۔
لکڑہارا:- آپ کا حکم سر آنکھوں پر۔ مگر میری ایک درخواست ہے۔
پرویز:- وہ کیا۔
لکڑہارا:- آپ اپنے ہاتھوں سے میری اور میرے ساتھی کی حجامت بنا دیں۔
پرویز:- ٹھیک ہے بنا دیں گے مگر دونوں کے پانچ درہم ہوں گے؟ ساتھی کہاں ہے تیرا؟
لکڑہارا:- باہر ہے ابھی لے بھی آؤنگا۔ یہ لو پانچ درہم پہلے میری حجامت بنا دو۔ (حجامت بنوانے کے
بعد لکڑہارا باہر جاتا ہے اور گدھے کو لیئے ہوئے آتا ہے)
لکڑہارا:- یہ رہا میرا ساتھی مہربانی کر کے اب اس کی بھی بنا دو۔
پرویز (غصّے سے لکڑہارے کو دھکا دیتے ہوئے) پاگل تو نہیں ہے شاہی حجام سے مذاق کرتا ہے۔ گنوار!
لکڑہارا:- تو تمہیں میرے ساتھی کی حجامت بنانے سے انکار ہے نا!
پرویز:- ڈانٹتے ہوئے۔ اب جاتا ہے یا میرے ہاتھوں سے ناک کٹوائے گا۔ استرا لے کر اس کی طرف بڑھتا
ہے۔
لکڑہارا:- (دکان کے پاس جمع ہو جانے والوں کو مخاطب کر کے) آپ لوگ گواہ رہنا اس نے پہلے میرے ساتھی
کی حجامت بنانے کا اقرار کیا تھا پھر انکار کر دیا یہ اپنی زبان سے پھر گیا ہے۔
پرویز:- ہاں اقرار کیا تھا دو گدھوں کی حجامت بنانے کا۔ لاؤ اسی کی ایک دفعہ اور حجامت بنا دوں کل جیسی۔ کل
والی حجامت بھول گیا۔
(لوگ ہنستے ہیں، لکڑہارا بھی ہنستا ہوا چلا جاتا ہے)
پرویز:- شاہی حجام سے مذاق کرنے آیا تھا۔ احمق کہیں کا۔ ذرا دیر اور ٹھہرتا تو میں ناک کاٹ لیتا۔

چوتھا منظر ؛ قاضی کی عدالت

قاضی ؛ (پرویز سے مخاطب ہوکر) تم نے پانچ درہم میں اس لکڑہارے اور اس کے ساتھی کی حجامت بنانے کا وعدہ کیا تھا ؛

پرویز ؛ جی ہاں کیا تھا، لیکن ساتھی سے مُراد گدھا کیسے ہوسکتا ہے ۔

قاضی ، اُسی طرح جس طرح جلانے والی لکڑی کی تعریف میں گدھے کی کاٹھی شامل ہوسکتی ہے (پرویز شرمندہ ہوکر سر جھکا لیتا ہے)

قاضی (عدالت کے ملازمین سے) اس کی دکان سے سارے استرے، قینچیاں اور صابن لے آؤ۔ (لکڑہارے سے) اور تم اپنے گدھے کو لائے ہو؟

لکڑہارا ۔ جی حضور!

قاضی ؛ اسے کمرے عدالت میں لے آؤ۔ ہم حجام سے اپنے سامنے اس کی حجامت کرائیں گے۔

پرویز ؛ قاضی صاحب میں شاہی ....

قاضی ؛ ہمارے حکم کی تعمیل ہو...... تمہارا غرور حد سے بڑھ رہا تھا تمہاری شکایت ہم خود بادشاہ سلامت سے کریں گے۔

(گدھا، حجامت کا سامان اور دکاندار عدالت میں آتے ہیں)

قاضی ؛ (پرویز سے) حجامت شروع کرو۔

(لکڑہارا گدھے کو پکڑ کر کھڑا ہوجاتا ہے۔ عدالت میں کھڑے ہوئے لوگ حجام کی طرف اشارے کر کے ہنستے ہیں اور حجام شرم سے سر جھکائے گدھے کی حجامت بنانا شروع کر دیتا ہے)

—— پردہ گرتا ہے ——

سیموئل پلمسل

سیموئل پلمسل گزشتہ صدی میں برطانوی پارلیمنٹ کا رکن تھا۔ اس نے ساری زندگی ملاحوں کے لئے بہتر حالات پیدا کرنے کی کوشش کی۔ اس زمانے میں کشتیاں زیادہ سامان لدجانے کی بناپر اور ٹھیک طرح مرمت نہ ہونے پر ڈوب جایا کرتی تھیں۔ جس سے ملاح ڈوب جایا کرتے تھے۔ آخر کار ۱۸۷۶ء میں پلمسل لائن کے تعارف کی شکل میں اس کی کوششوں کا نتیجہ نکلا۔ یہ جہاز کے اطراف لگا ہوا ایک نشان تھا جو یہ ظاہر کرتا تھا کہ اس نشان تک سامان بلاخوف و خطر لادا جاسکتا ہے۔ آج کے دور میں ہر جہاز چاہے وہ کسی قسم کا ہو اس پر یہ نشان ضرور لگا ہوا ہوتا ہے۔

جہاں قالین وہیں صفائی

سنو وھائٹ

ڈرائی کلیننگ انڈسٹری، کراچی

ہیڈ آفس :

عبداللہ ہارون روڈ فون : ۵۱۱۷۱۱

شاخیں :

- بہادر آباد فون : ۴۱۳۶۹۵
- جمشید روڈ " ۴۱۱۳۰۲
- کھارادر " ۲۲۵۸۰۳
- گارڈن روڈ " ۷۲۲۴۳۳
- برنس روڈ " ۲۰۲۳۲۶
- ڈیفنس فیز V فون : ۵۲۶۵۳۹
- امیر خسرو روڈ " ۴۱۳۶۹۵
- راشد منہاس روڈ " ۴۱۱۳۰۲
- حسن اسکوائر " ۵۲۶۵۳۹

سنو وھائٹ

ڈرائی کلیننگ انڈسٹری

ہیڈ آفس : عبداللہ ہارون روڈ۔ کراچی فون ۵۱۱۷۱۱ ۵۲۶۵۳۹

زونل آفس : صدر بازار۔ راولپنڈی فون ۶۷۹۸۸ ۶۳۲۵۰

انکل آئی کیو روبوٹ

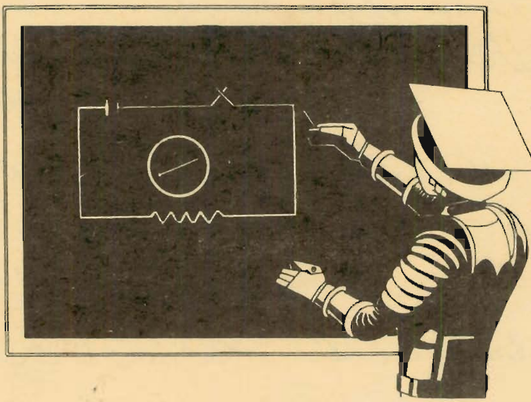

سوالاً جواباً

انکل یہ بتائیے کہ نظریۂ اضافیت کس نے پیش کی۔؟

(شہزاد کامران۔ پشاور)

نظریۂ اضافیت مشہور سائنس دان پروفیسر آئن اسٹائن نے پیش کیا تھا۔ جب پہلی بار یہ نظریہ لوگوں کے سامنے آیا تو کہا گیا کہ اس کو پوری دنیا میں صرف ایک درجن سائنسدان سمجھ سکتے تھے۔ ہم اس نظریئے کی تفصیلات یہاں بیان نہیں کر سکتے۔ لیکن آئن اسٹائن کے اس نظریئے کا ایک عمومی خلاصہ ضرور پیش کر سکتے ہیں۔ ہر شخص جانتا ہے کہ تمام حرکتیں اضافی ہوتی ہیں۔ مثال کے طور پر آپ ایک ریل گاڑی میں بیٹھے ہوں اور کھڑکی سے باہر دیکھ رہے ہوں آپ کو ایسا لگ رہا ہوتا ہے کہ باہر کی تمام چیزیں تیزی سے گزر رہی ہیں۔ لیکن آپ کے سامنے بیٹھا ہوا شخص ان چیزوں کے ساتھ حرکت نہیں کر رہا ہے۔ گویا حرکت ایک اضافی بات ہے۔ یعنی حرکت کا احساس کسی ساکت شے کی وجہ

سے ہوتا ہے اگر دونوں اجسام ایک ساتھ حرکت کر رہے ہوں تو آپ کو حرکت کا احساس نہیں ہوگا۔ آئن اسٹائن کے اس نظریئے کا دوسرا حصّہ یہ ہے کہ کائنات میں روشنی کی رفتار یعنی ایک لاکھ چھیاسی ہزار میل فی سیکنڈ ناقابلِ تبدیل چیز ہے۔ اور کوئی انسان اس رفتار سے سفر کر ہی نہیں سکتا۔ آئن اسٹائن کا کہنا ہے کہ اگر ہم روشنی کی رفتار سے سفر کریں تو ہم زمین کے سال اور مہینوں کی حدود سے باہر نکل جائیں گے یعنی وقت بھی ایک اضافی چیز ہے جس کا احساس ہمیں دن اور رات کے آنے جانے سے ہوتا ہے۔ یہی حال سمتوں کا ہے اگر ہم آپ سے پوچھیں کہ آپ کا مکان کس طرف ہے تو آپ کیا جواب دیں گے۔ لیکن آپ پہلے ہم سے یہ سوال کریں گے کہ آپ کس طرف سے ہمارے مکان میں داخل ہوں گے۔

کیا اسکول کی طرف سے یا پھر اسپتال کی طرف سے اگر اسکول کی طرف سے آئیں گے تو ہمارا مکان مشرق میں اور دائیں طرف ہے۔ اگر اسپتال کی طرف سے آتے ہیں تو ہمارا مکان مغرب میں اور بائیں طرف ہے۔ تو ثابت یہ ہوا کہ سمت بھی ایک اضافی چیز ہے۔

خلا میں جو راکٹ بھیجے جاتے ہیں ان کو زمین کی کشش سے نکلنے کے لئے کتنی قوّت درکار ہوتی ہے۔

(نوید گل کرتار پور راولپنڈی)

خلا میں بھیجے جانے والے راکٹ کو زمین کی کشش سے نکلنے کے لیے چالیس ہزار کلومیٹر فی گھنٹہ کی قوت درکار ہوتی ہے اور اسی رفتار سے راکٹ خلا میں جاتے ہیں۔

سورج کا زمین سے کتنا فاصلہ ہے؟

(نامعلوم بنوں)

سورج سے زمین کا اوسطاً فاصلہ ۹ کروڑ ۳۰ لاکھ میل ہے۔ دراصل جب زمین سورج کے قریب ہوتی ہے تو یہ فاصلہ ۹ کروڑ ۱۵ لاکھ میل ہوتا ہے اور جب دور ہوتی ہے تو یہ فاصلہ ۹ کروڑ ۴۵ لاکھ میل ہوتا ہے اس لیے اوسطاً فاصلہ ۹ کروڑ ۳۰ لاکھ میل مانا گیا ہے۔

انکل کیا واقعی زمین پر کوئی خلائی مخلوق حملہ کرنے والی ہے یا اُن کا کوئی وجود ہے یا نہیں؟

(نجم الحسن گل گوجرانوالہ)

خلائی مخلوق کا تو اب تک ہمیں کوئی پتہ نہیں چلا ہے اور ہمارا خیال ہے کہ اُن کا کوئی وجود بھی نہیں ہے یہ صرف قصّے اور کہانیوں کی باتیں ہیں اور جب وجود ہی نہیں ہے تو حملہ کرنے کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔

میرے پیارے انکل روبوٹ زمین آسمان سے کتنی دُور ہے۔

(عمران میمن کاملانی)

انکل کیا یہ درست ہے کہ دِن کے وقت فضاء میں نظر آنے والا نیلا رنگ اصل میں آسمان نہیں بلکہ زمین کی فضائی حد ہے۔

(احمد ریحان لئیق کراچی)

آپ دونوں ساتھیوں کے سوالوں کا جواب ماہ مئی کے شمارے میں شائع ہو چکا ہے۔

زمین کی کشش ثقل چاند سے کتنے گنا زیادہ ہے؟

(فیصل حسن خان لالہ رُخ واہ کینٹ)

زمین کی کشش ثقل چاند سے چھ گنا زیادہ ہے۔

حق اسکواڈ

ماہنامہ آنکھ مچولی کا مقبول ترین سلسلہ تحریر اخلاق احمد کی مہماتی کہانیوں کا دلچسپ مجموعہ

کتابی صورت میں شائع ہو گیا ہے

- بُرائیوں سے برسرِپیکار ۴ کمسن مجاہدوں کے کارنامے۔
- ذہانت اور شجاعت سے بھرپور حیرت انگیز واقعات۔
- خوبصورت اسکیچز — بہترین کتابت — اعلیٰ طباعت
- حسین سرورق اور ۱۰۰ سے زائد صفحات۔

قیمت صرف ۱۰ روپے

— حق اسکواڈ کے حصول کے لئے ۱۰ روپے کا منی آرڈر بھجوادیں۔

— دوکاندار/ایجنٹ حضرات آرڈر سے مُطلع کریں۔

پتہ ماہنامہ آنکھ مچولی گرین گائیڈ اکیڈمی ڈی۔۱۱۲ سائٹ کراچی نمبر۱۶

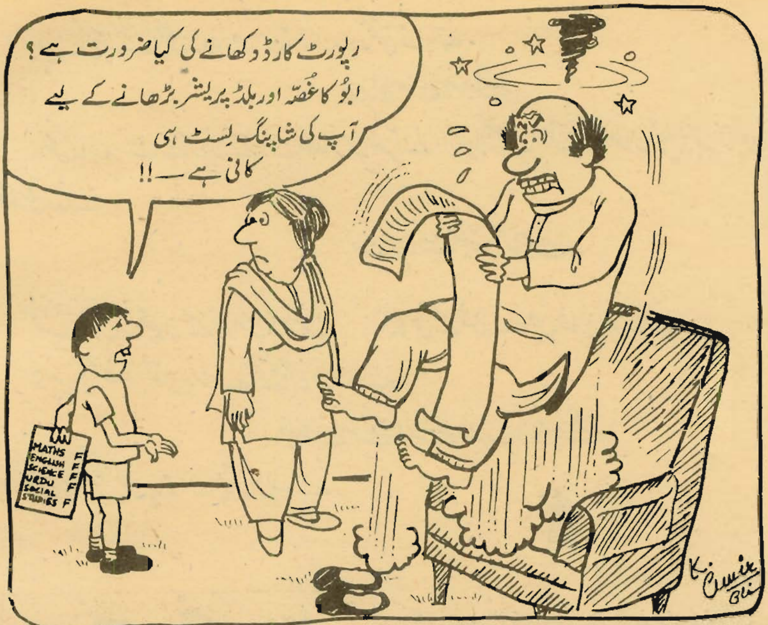
رپورٹ کارڈ دکھانے کی کیا ضرورت ہے؟
ابُو کا غُصّہ اور بلڈ پریشر بڑھانے کے لیے
آپ کی شاپنگ لِسٹ ہی
کافی ہے ——!!
MATHS F
ENGLISH F
SCIENCE F
URDU F
SOCIAL STUDIES F

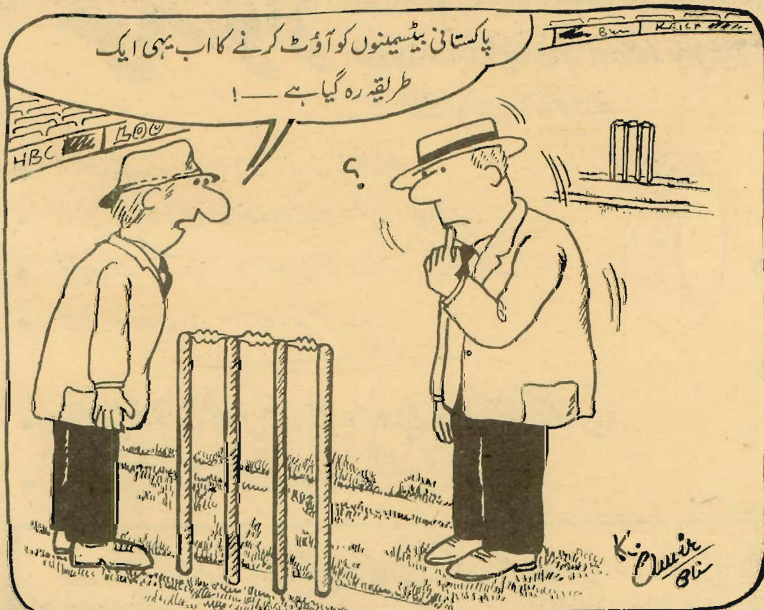
پاکستانی بیٹسمینوں کو آؤٹ کرنے کا اب یہی ایک
طریقہ رہ گیا ہے ——!
HBC

مشاغل کی کہانی

عقیل عباس جعفری

گڑیاں جمع کرنا

مشاغل کی کہانی کے سلسلہ میں ہم نے اب تک جن مشاغل کے بارے میں تحریر کیا ہے ان میں سے بیشتر مشاغل ایسے ہیں جن سے صرف لڑکے ہی لطف اندوز ہو سکتے ہیں۔ چونکہ آنکھ مچولی پڑھنے والوں میں ایک بڑی تعداد لڑکیوں کی بھی ہے اس لیے اس مرتبہ ہم اِن کی فرمائش پر ایک ایسے مشغلے کے بارے میں تحریر کر رہے ہیں جو دنیا

بھر کی لڑکیوں کا مقبول ترین مشغلہ ہے اور وہ مشغلہ ہے گڑیاں جمع کرنا۔

گڑیاں جمع کرنا اور گڑیوں سے کھیلنا ایک ایسا مشغلہ ہے جس میں امیر غریب اور رنگ و نسل کی کوئی تمیز نہیں دنیا کی شاید ہی کوئی لڑکی ایسی ہوگی جس نے اپنے بچپن میں گڑیوں سے نہ کھیلا ہو۔ لڑکیوں کو گڑیوں سے ایسی محبت ہوتی ہے جیسی ماؤں کو اپنی بچّیوں سے۔ وہ انھیں اپنی بچّیوں کی طرح نہلاتی دھلاتی ہیں۔ اِن کے کپڑے سیتی ہیں۔ اِن سے باتیں کرتی ہیں۔ انھیں سیر کرانے کے لیے باہر لے جاتی ہیں۔ اور جب یہ گڑیاں بڑی ہو جاتی ہیں تو ان کی شادی کر کے انھیں رخصت کر دیتی ہیں۔

گڑیوں کی تاریخ

دنیا کی سب سے پہلی گڑیا کب اور کہاں بنی ؟ اس کے بارے میں کچھ وثوق سے نہیں کہا جا سکتا۔ ممکن ہے کسی انسان کو کوئی پتھر، کسی درخت کا تنا یا کوئی لکڑی کا ایسا ٹکڑا ملا ہو جسے اُس نے انسان کی شکل و صورت سے مشابہ خیال کیا ہو اور یوں اُسے انسانی شکل سے ملتی جلتی دوسری چیزیں بنانے کا خیال پیدا ہوا ہو۔ یہ بھی خیال کیا جاتا ہے کہ اُس زمانے میں انسان کو اگر اس طرح کی کوئی چیز ملی ہو تو ہو سکتا ہے اس نے۔۔۔ خُدا سمجھ کر اُسے پوجنا شروع کر دیا ہو۔ اور یوں بُت پرستی کا آغاز ہوا ہو۔

اس زمانے میں جو گڑیاں بنائی جاتی تھیں وہ عام طور پر کپڑے سے بنائی جاتی تھیں۔ مصر میں کھدائی کے دوران کپڑے کی ایسی گڑیاں بھی برآمد ہوئی ہیں، جن کے بارے میں قیاس کیا جاتا ہے کہ وہ دو ہزار سال پرانی ہیں۔ تقریباً اُسی زمانے میں لکڑی اور مٹّی سے بھی گڑیاں بنائے جانے کا آغاز ہوا۔ برطانیہ کے مشہور عجائب گھر برٹش میوزیم میں بھی اس طرح کی کئی گڑیاں موجود ہیں۔ مصر کے علاوہ قدیم روم اور یونان میں بھی گڑیاں بنانے کا رواج تھا۔ بلکہ روم اور یونان کے مقبروں کی کھدائی سے تو ایسی گڑیاں بھی برآمد ہوئی ہیں جو انسانی جسامت کی ہیں۔ اِس طرح کی گڑیاں عام طور پر لکڑی اور مٹی کی بنی ہوئی ہیں، یہ گڑیاں مُردوں کے ساتھ مقبروں میں دفن کی جاتی تھیں۔ یہ بھی پتا چلتا ہے کہ یونان اور روم میں لڑکیاں گڑیوں کے ساتھ کھیلا بھی کرتی تھیں۔

جدید فیشن کے لباس میں ملبوس گڑیاں بنائے جانے کا آغاز اب سے کوئی چھ سو برس پہلے فرانس سے ہوا۔ اس زمانے میں فرانس میں جو گڑیاں بنائی جاتی تھیں اُن کا لباس نہ صرف جدید ترین فیشن کے مطابق ہوتا تھا بلکہ وہ انتہائی نفیس کپڑے سے تیار کیا جاتا تھا۔ ان گڑیوں کو لباس کے علاوہ ہیٹ اور جوتے وغیرہ بھی پہنائے جاتے تھے۔ مگر یہ گڑیاں اتنی مہنگی ہوتی تھیں کہ صرف امیر لوگ ہی یہ شوق پورا کر سکتے تھے۔

اس زمانے کے بادشاہ اور ملکائیں بھی آپس میں گڑیوں کا تبادلہ کیا کرتے تھے۔ مثلاً ۱۳۹۶ء میں برطانیہ

کی ملکہ کو فرانس کی گڑیوں کا ایک مجموعہ تحفتاً پیش کیا گیا جو فرانس کی درباری خواتین کا لباس پہنے ہوئے تھیں ۔ جب انگریزوں نے ہندوستان پر قبضہ کیا تو انھوں نے ایسی گڑیاں ہندوستان بھیجیں جو انگریز خواتین کے لباس میں ملبوس تھیں ۔اب سے کوئی دوسو برس پہلے فرانس میں ایسی گڑیاں بننی شروع ہوئیں جو آج کل کی کٹھ پتلیوں سے مشابہ تھیں۔کٹھ پتلیوں کے تماشے کا آغاز بھی اسی زمانے سے ہوا۔

انیسویں صدی میں بڑے پیمانے پر گڑیاں بنائے جانے کا آغاز ہوا۔ یہ گڑیاں انسانی شکل وصورت سے خاصی مشابہ ہوتی تھیں۔ اسی زمانے میں لڑکیوں نے گڑیاں جمع کرنے کے مشغلے کا آغاز کیا اور جلد ہی یہ شوق پورے یورپ میں پھیل گیا۔یہ گڑیاں عام طور پر کپڑے سے بنائی جاتی تھیں۔ان گڑیوں کا سر عام طور پر موم سے بنایا جاتا تھا مگر اس میں مسئلہ یہ تھا کہ نہ صرف یہ سر گرنے سے ٹوٹ جاتے تھے بلکہ سردیوں میں یہ سر چٹخنے لگتے تھے۔ اور گرمیوں میں حرارت سے پگھل جاتے تھے ۔ ۱۸۲۰ء کے لگ بھگ ان گڑیوں کے سر کاغذ اور گوند کے ایک مرکب PAPIER MACI سے بنائے جانے لگے ۔اس کے بعد چینی مٹی سے ننھی منّی گڑیاں بنائے جانے کا آغاز ہوا۔ یہ گڑیاں تقریباً دو انچ لمبی ہوتی تھیں۔ پھر چمڑے، چینی مٹی اور لکڑی کے بنے ہوئے گڑیوں کے سر، ہاتھ اور پاؤں فروخت ہونے کا سلسلہ شروع ہوا۔ یہ اجزا کپڑے کی گڑیوں میں لگا دیئے جاتے تھے ۔

۱۸۲۳ء میں جرمنی کے جوہان میلزل نامی ایک شخص نے ایک ایسی گڑیا ایجاد کی۔ جو "ماما" اور "پاپا" کے الفاظ بولتی تھی۔یہ گڑیا پیرس میں فروخت کے لیے پیش کی گئی۔ ۱۰ فرانک کی یہ گڑیا بہت مقبول ہوئی اور جلد ہی تجارتی پیمانے پر بننا شروع ہوگئی۔اس کے بعد آنکھیں کھولنے اور بند کرنے والی گڑیوں کا رواج عام ہوا۔ پھر ایسی گڑیاں بننے لگیں جو چل سکتی تھیں، کرتب دکھا سکتی تھیں اور موسیقی سنا سکتی تھیں ۔ ۱۸۷۰ء سے ۱۹۱۴ء تک جرمنی میں گڑیاں بنانے کا فن عروج پر پہنچا۔ یہ وہی زمانہ تھا جب پلاسٹک سے گڑیاں بنانے کا رواج شروع ہوا اور انھوں نے گڑیوں کی صنعت میں ایک نئی روح پھونک دی۔

گڑیاں جمع کرنا

دنیا میں ہزاروں افراد گڑیاں جمع کرنے کے شوقین ہیں۔ ان میں سے کچھ تو ایسے بھی ہیں جن کے پاس ہزاروں کی تعداد میں گڑیاں موجود ہیں۔کچھ افراد صرف نادر اور نایاب گڑیاں ہی جمع کرتے ہیں۔کچھ گڑیوں کے ملبوسات کے بارے میں، کہ وہ کب اور کس ملک میں بنائے گئے، خصوصی معلومات اکٹھی کرتے ہیں۔کچھ ایسے بھی ہیں جو خود نت نئی قسم کی گڑیاں بناتے رہتے ہیں۔

تاریخ کی جو مشہور شخصیات اس مشغلہ سے وابستہ رہی ہیں اور جن کے پاس گڑیوں کا ایک بڑا ذخیرہ تھا ان

یں رومانیہ کی ملکہ میری اور ہیڈرلینڈ کی ملکہ ول ہیلمینا کے علاوہ برطانیہ کی ملکہ وکٹوریہ بھی شامل رہی ہیں ملکہ وکٹوریہ، ملکہ بننے سے پہلے گڑیاں جمع کرنے کی زبردست شوقین تھیں اور اس زمانے میں ان کے مجموعے میں دوسو کے لگ بھگ گڑیاں شامل تھیں۔ جن کے خوبصورت لباس بھی وہ خود سیا کرتی تھیں۔

مگر گڑیوں کے بڑے اور عظیم الشان مجموعے موجودہ صدی میں وجود میں آئے۔ یہ اس صدی کے شروع کی بات ہے جب بچوں کے ایک رفاہی ادارے نے گڑیاں بنانے والے ایک ہنرمند شخص کو مختلف قسم کی گڑیاں بنانے کے لیے کہا تاکہ ان کی نمائش سے بچوں کے اس ادارے کے لیے رقم اکٹھی کی جاسکے۔ اس ادارے نے دوسرے ذرائع سے بھی گڑیاں اکٹھی کرنا شروع کیں اور جلد ہی مختلف اقسام کی دو ہزار سے زائد گڑیاں جمع کرلیں اور مختلف شہروں میں ان کی نمائش کی۔ اس ادارے کو دیکھ کر دوسرے لوگوں میں بھی بڑے پیمانے پر گڑیوں کے مجموعے بنانے کا شوق پیدا ہو۔ اب ذاتی مجموعوں کے علاوہ دنیا کے کئی بڑے عجائب گھروں میں بھی گڑیوں کے بہت بڑے بڑے ذخیرے موجود ہیں۔ چند برس قبل لندن میں گڑیوں کی ایک عظیم الشان نمائش منعقد ہوئی تھی۔ جس میں دنیا کے مختلف حصّوں اور زمانوں کی ہزاروں گڑیاں رکھی گئی تھیں۔

مشغلہ کا آغاز

دنیا میں شاید ہی کوئی لڑکی ایسی ہوگی جس کے پاس خوبصورت گڑیا نہ ہو۔ اکثر گھروں میں چند گڑیاں ایسی بھی ہوتی ہیں جو ماؤں یا نانیوں، دادیوں کے زمانے سے چلی آتی ہیں۔ آپ اگر گڑیا جمع کرنے کا مشغلہ اختیار کرنا چاہیں۔ تو آغاز انہی گڑیوں سے کیجیے۔ پھر اپنے شوق کے مطابق مزید گڑیوں کا انتخاب کیجیے۔ آپ اپنے مجموعے میں اضافے کے لیے خوبصورت شکل وصورت والی گڑیوں، مختلف رسم ورواج والی گڑیوں، مختلف ممالک کے قومی لباس والی گڑیوں یا ننھّی منّی گڑیوں میں سے کسی بھی قسم کا انتخاب کرسکتی ہیں۔ آپ انھیں ان کے ہیئراسٹائل، اُن کے سائز اور اُن کے میٹریل کے حوالے سے یا پھر اُنھیں ان کے پیٹنٹ ناموں، ان کی بنانے والی فیکٹریوں اور ان کے ڈیزائنرز کے حوالے سے بھی جمع کرسکتی ہیں۔ پھر کچھ گڑیاں ایسی بھی ہوتی ہیں جو بچّوں کے مشہور کرداروں کو سامنے رکھ کر بنائی جاتی ہیں۔ ان گڑیوں کو "اسٹوری بک گروپ" کہا جاتا ہے۔ آپ چاہیں تو اپنے مجموعے کو ایسی گڑیوں تک بھی محدود رکھ سکتی ہیں۔

تاہم ان میں سے مختلف رسم ورواج اور مختلف ممالک کے قومی لباس والی گڑیاں دنیا بھر میں سب سے زیادہ مقبول ہیں۔ ان گڑیوں سے نہ صرف یہ کہ مجموعہ زیادہ خوبصورت اور متنوع نظر آتا ہے، بلکہ ان سے مختلف ممالک کے رسوم ورواج اور ان کے ملبوسات کے بارے میں بھی دلچسپ معلومات حاصل ہوتی ہیں۔

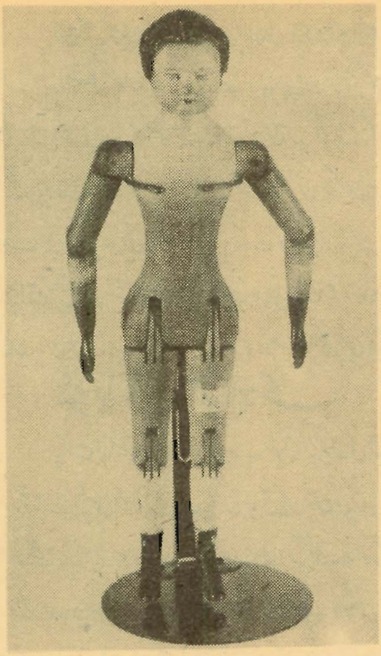

گڑیا کا گھر

گڑیا کے گھر بنانے کا رواج بھی تقریباً اتنا ہی پُرانا ہے، جتنا خود گڑیوں کا رواج۔ اب سے تقریباً تین سو برس قبل پہلی مرتبہ گڑیوں کے خوبصورت گھر بنائے گئے۔ اِن میں سے کچھ گھر تقریباً آٹھ فٹ اُونچے تھے اور ان کی شکل چھوٹی چھوٹی الماریوں سے ملتی جُلتی تھی۔ ۱۶۷۰ء میں ایک ایسا گڑیا گھر بنایا گیا جس میں تقریباً پندرہ کمرے تھے۔ اور ہر کمرے میں گڑیوں کے استعمال کی ننھی منّی اشیا رکھی گئی تھیں۔

گڑیوں کے یہ گھر ننھے منّے فرنیچر کا خوبصورت نمونہ ہوتے تھے۔ اِن میں سے بعض تو اتنے مہنگے ہوتے تھے کہ صرف امیر حضرات ہی اُن کا شوق رکھنے کا تصوّر کر سکتے تھے۔ ایک مرتبہ توروس کے زار پیٹرِ اعظم نے بھی ایک گڑیا گھر کی قیمت ادا کرنے سے معذوری ظاہر کر دی تھی۔

انیسویں صدی میں گڑیوں کے گھر تجارتی پیمانے پر بننے کا آغاز ہوا۔ اس زمانے کے خوبصورت گڑیا گھر مختلف عجائب گھروں میں محفوظ ہیں۔ ان میں سے جو گڑیا گھر سب سے زیادہ مشہور ہوا وہ سر ایڈورڈ لیوٹائن نے شاہ جارج پنجم کی ملکہ میری کے لیے بنایا تھا۔ اس گڑیا گھر میں ایک چھوٹا سا پیانو بھی رکھا گیا تھا جو باقاعدہ بجتا بھی تھا۔ اس کے علاوہ ننھی منّی پینٹنگز بطورِ خاص تیار کروائی گئی تھیں۔

آج کل گڑیوں کے گھر، کھلونوں کی بڑی بڑی دکانوں پر بآسانی دستیاب ہوجاتے ہیں، مگر گڑیوں کے گھر بنانا کوئی ایسا مشکل کام بھی نہیں ہے۔ آپ چاہیں تو خود گھر پر بھی اپنی گڑیوں کے گھر اور ان کا فرنیچر تیار کرسکتی ہیں مثلاً جوتے یا کارڈ بورڈ کے کسی بڑے ڈبے کو آپ گڑیا کے گھر میں تبدیل کرسکتی ہیں۔ اس کی دیواروں پر خوبصورت رنگین کاغذ چسپاں کرسکتی ہیں۔ اس گھر کے فرش پر کسی پرانے کمبل کے ٹکڑے بچھا سکتی ہیں۔ تاکہ وہ قالین کا کام انجام دے سکیں۔ ماچس کی بڑی ڈبیا یا بسکٹ کا چھوٹا ڈبہ میز اور آئس کریم کے خالی ڈبے کرسیاں بن سکتی ہیں۔ بسکٹوں کا بڑا ڈبہ بینچ بن سکتا ہے اور سگریٹ کا پیکٹ بستر۔ بوتلوں کے ڈھکن کھانے کی میز پر پلیٹوں کا کام انجام دے سکتے ہیں۔ اسی طرح آپ اپنی گڑیا کے گھر کا دوسرا فرنیچر بھی تیار کرسکتی ہیں۔

گڑیا کی شادی

پاکستانی بچیوں کا ایک دلچسپ شوق گڑیوں کی شادی بھی ہے۔ جن بچیوں کے پاس گڈا ہوتا ہے وہ باقاعدہ رشتہ لے کر کسی ایسی بچی کے پاس جاتی ہیں، جن کی گڑیا سے انھیں اپنے گڈے کی شادی کرنا ہوتی ہے۔ اگر وہ بچی اس رشتے پر تیار ہوجاتی ہے تو پھر پہلے اس گڈے اور گڑیا کی منگنی کی جاتی ہے اور پھر شادی کی تاریخ طے ہونے کے بعد دوسری رسومات ادا کی جاتی ہیں، جب وہ گڑیا رخصت ہوکر اپنے سسرال جانے لگتی ہے تو اس کے ہمراہ جہیز کے طور پر تھوڑا بہت گڑیا کا فرنیچر اور برتن وغیرہ بھی دیئے جاتے ہیں۔ اس موقع پر بعض بچیاں چھوٹی موٹی دعوت بھی کرتی ہیں۔ بچیوں کے لیے اگرچہ یہ دلچسپ کھیل ہوتا ہے مگر وہ کھیل ہی کھیل میں، بہت سی باتیں جان جاتی ہیں جو ان کی آئندہ زندگی میں اِن کے کام آتی ہیں۔ تاہم کوشش یہ کرنی چاہیئے کہ اس کھیل کو صرف کھیل کے طور پر ہی کھیلا جائے اور اِس میں فضول خرچی سے ہر ممکن حد تک بچا جائے۔

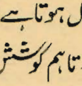

پیری اسکوپ کیا ہوتا ہے؟

پیری اسکوپ ایک یونانی لفظ ہے جس کا مطلب ہے "چاروں طرف دیکھنا"۔ ایک خاص ٹیوب میں آئینوں کو اس ترتیب سے رکھا جاتا ہے کہ دیکھنے والے کو بغیر کسی رکاوٹ کے ہر چیز نظر آجائے اور خود وہ کسی کو نظر نہ آئے۔ پیری اسکوپ کو عموماً آبدوزوں میں استعمال کیا جاتا ہے۔ اس کی مدد سے کپتان یہ دیکھ سکتا ہے کہ سطح سمندر پر کیا ہو رہا ہے۔ آپ بھی کارڈ بورڈ بکس جو لمبا اور پتلا ہو اور دو آئینوں کی مدد سے پیری اسکوپ تیار کرسکتے ہیں۔

حق اسکواڈ
اخلاق احمد

جاسوس کی گرفتاری

(دوسرا حصّہ)

سفید کار دھول اڑاتی چلی جا رہی تھی۔

اور اس کے پیچھے جیپ پوری رفتار سے بھاگ رہی تھی۔

جیپ میں وہ چاروں بیٹھے تھے۔ شہریار، سرفراز، ضیا، اور شہزاد۔ ان کے ساتھ بیٹھے انوار صاحب کی نظریں سامنے والی سفید کار پر ہی تھیں۔ انوار صاحب کا ڈرائیور خان بابا جیپ کو پوری رفتار سے دوڑا رہا تھا۔
"تیز چلاؤ خان بابا" انوار صاحب نے کہا۔ "اس کار کو ہر حال میں روکنا ہے۔ اس میں شاید ایک غدّار بیٹھا

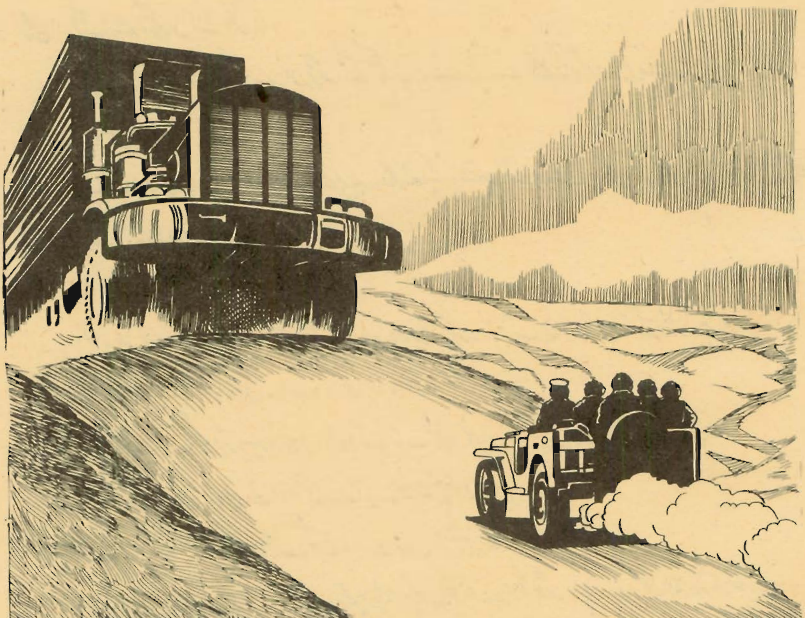

ہوا ہے ۔"

ڈرائیور نے کہا" فکر نہیں کرو صاحب۔ بچ کے نہیں جائے گا۔ راستہ کچّا ہے نا صاحب۔ ابھی یہاں سڑک ہوتی تو میں ایک منٹ میں اس کو روک لیتا۔"

شہریار نے پہلی بار اردگرد کا جائزہ لیا۔ اب تک وہ سفید کار پر نظریں جمائے بیٹھا تھا۔ لہٰذا اسے احساس بھی نہیں ہوا تھا کہ وہ سڑک پر نہیں کچے راستے پر سفر کر رہے ہیں۔

ان کے ہر جانب کام ہو رہا تھا۔ بڑے بڑے ٹرک اور بلڈوزر آ جا رہے تھے۔ مٹّی ہٹائی جا رہی تھی۔ کنکریٹ لائی جا رہی تھی۔ ہر طرف مشینوں کا شور تھا۔

اچانک انوار صاحب نے کہا" خان بابا۔ سنبھل کے۔ وہ ٹرک واپس مڑ رہا ہے۔"

کچے راستے پر ایک بہت بڑا ٹرک آہستہ آہستہ مڑ کر آ رہا تھا۔ اتنا بڑا ٹرک ان چاروں نے زندگی میں کبھی نہیں دیکھا تھا۔ اس ٹرک کے پہیے ان سب کے قد سے بھی بڑے تھے اور اس کے پچھلے حصّے میں فولاد کا بہت بڑا مکسر لگا ہوا تھا۔ اس دیگ نما مکسر میں شاید سمینٹ اور ریت کو ملا کر کنکریٹ بنایا جاتا تھا۔

سامنے جانے والی کار اس ٹرک کے بالکل قریب پہنچ چکی تھی۔ کچے راستے پر آگے نکلنے کی ذرا سی جگہ رہ گئی تھی۔ کار اُچھلی اور ٹرک سے رگڑ کھاتی آگے نکل گئی۔

شہریار نے چلّا کر کہا" کار نکل گئی ہے اور ٹرک آگے آتا جا رہا ہے ہمارے نکلنے کی جگہ ہی نہیں ہے۔"

اور بالکل یہی ہوا۔

جس وقت خان بابا نے پوری قوت سے بریک لگائے، کچے راستے پر آگے جانے کی بالکل جگہ نہیں تھی۔ جیپ گھسٹتی ہوئی ٹرک سے چند انچ کے فاصلے پر جا رکی۔

ان سب کی بے بسی قابلِ دید تھی۔

انوار صاحب نے بلندی پر بیٹھے ٹرک ڈرائیور سے چلّا کر کہا" ٹرک ہٹاؤ۔ ہمیں آگے جانا ہے۔"

ٹرک ڈرائیور نے کہا" ہٹاتا ہوں صاحب۔ ابھی ہٹاتا ہوں۔"

لیکن جس وقت ٹرک گھوم کر سیدھا ہوا، اس وقت تک سفید کار ان کی نظروں سے اُوجھل ہو چکی تھی۔

حق اسکواڈ کے چاروں ارکان نے مایوسی سے ایک دوسرے کو دیکھا۔

سرفراز نے کہا" وہ نکل گیا۔ اب تک تو وہ نہ جانے کہاں پہنچ چکا ہوگا۔"

انوار صاحب ان چاروں کو دیکھ کر مسکرائے۔" اتنے پریشان کیوں نظر آ رہے ہو تم لوگ؟ ارے بھئی، وہ ہماری نظروں

سے اوجھل ہوا ہے علاقے سے تو نہیں نکلا ہے۔ ابھی بندوبست ہو جاتا ہے۔" پھر انہوں نے مڑ کر خان بابا سے کہا۔ "چیک پوسٹ کی طرف چلو۔"

حق اسکواڈ کے چاروں ارکان نے حیرت سے ایک دوسرے کو دیکھا اور اس کے ساتھ ہی جیپ روانہ ہو گئی۔

چیک پوسٹ ایک چھوٹی سی چوکی تھی جہاں حفاظتی عملے کے دو ارکان بیٹھے تھے۔ وہاں پہنچتے ہی انوار صاحب نے ٹیلیفون اٹھا کر نمبر ملایا۔

پھر انہوں نے ریسیور میں کہا۔ "ہیلو۔ میں انوار بول رہا ہوں۔ ریسرچ آفیسر۔ ابھی ابھی ایک شخص کو پاور ہاؤس کی تصویریں کھینچتے دیکھا گیا ہے۔ وہ ایک سفید کار میں فرار ہوا ہے اور غالباً کالونی میں کہیں جا چھپا ہے۔ تہران کالونی یا صنوبر کالونی وغیرہ کی طرف۔"

وہ کچھ دیر دوسری طرف سے آنے والی آواز سنتے رہے۔ پھر انہوں نے کہا۔ "میں ابھی پہنچ رہا ہوں۔ میرے پاس چار گواہ موجود ہیں۔ انہیں ساتھ لا رہا ہوں۔"

وہ واپس جیپ میں جا کر بیٹھے اور جیپ روانہ ہو گئی تو انوار صاحب نے کہا۔ "ہم سیکیورٹی افسر کے دفتر جا رہے ہیں۔ فکر کی کوئی بات نہیں ہے اب وہ آسانی سے بچ کر نہیں نکل سکتا۔"

ذرا سی دیر میں جیپ ایک لمبی سی عمارت کے سامنے جا رکی۔ وہ جیپ سے اتر کر عمارت کے صدر دروازے سے اندر داخل ہوئے اور انوار صاحب کے پیچھے پیچھے چلتے ہوئے پہلی منزل کے ایک بڑے سے کمرے میں داخل ہو گئے جہاں سیکیورٹی افسر فیاض پشت پر ہاتھ باندھے بے چینی سے ٹہل رہا تھا۔

انہیں دیکھتے ہی وہ تیزی سے آگے بڑھا اور انوار صاحب سے ہاتھ ملایا۔ "میں آپ ہی کا انتظار کر رہا تھا۔ کہاں ہیں آپ کے گواہ۔۔؟"

انوار صاحب نے حق اسکواڈ کے چاروں ارکان کی طرف اشارہ کیا۔

سیکیورٹی افسر فیاض کا منہ حیرت سے کھلا کا کھلا رہ گیا۔ "یہ لڑکے۔۔؟" اس نے حیرت سے پوچھا۔

"جی ہاں۔" انوار صاحب نے کہا۔ "یہ سرفراز میرا بھتیجا ہے اور ضیاء، شہریار اور شہزاد اس کے دوست ہیں۔ ان لوگوں نے ہی اسے پہلے جائے نظارہ پر تصویریں کھینچتے دیکھا اور پھر پاور ہاؤس کے باہر ایک کار میں چھپ کر پاور ہاؤس کی تصویریں اتارتے دیکھا تھا۔"

سیکیورٹی افسر فیاض نے ان چاروں سے ہاتھ ملایا اور پوچھا۔ "کیا حلیہ تھا اس آدمی کا۔۔؟"

شہریار بولا۔ "اس نے سیاہ سوٹ پہن رکھا تھا، سیاہ چشمہ اور سیاہ ہیٹ لگا رکھا تھا۔ وہ بہت دبلا پتلا تھا۔"

سیکورٹی افسر فیاض نے قریب رکھے ہوئے وائرلیس سیٹ کا ریسیور اٹھاکر کہا۔ "ہیلو۔ہیلو۔تمام اسٹاف نوٹ کرلے۔ اس آدمی نے سیاہ سوٹ پہن رکھا ہے۔ سیاہ چشمہ اور سیاہ ہیٹ لگا رکھا ہے۔وہ بہت دبلا پتلا آدمی ہے۔سب لوگ اچھی طرح نوٹ کرلیں۔ اوور۔" اس نے رسیور واپس رکھ دیا۔

سرفراز نے کہا۔ "فیاض صاحب۔ اس آدمی کے پاس کار ہے۔وہ ذرا سی دیر میں یہاں سے نکل سکتا ہے۔"

سیکورٹی افسر فیاض مسکرایا۔ "آپ کا کیا خیال ہے مسٹر سرفراز ہم کیا ہاتھ پر ہاتھ دھرے بیٹھے ہیں۔؟ ہم نے ہر طرف ناکہ بندی کرادی ہے۔ یہاں سے نکلنے کے دو ہی راستے ہیں۔ ایک راستہ غازی کی طرف جاتا ہے۔ دوسرا ٹوپی کی طرف۔"

"ٹوپی"۔! ضیا نے حیرت سے کہا۔ "کس کی ٹوپی۔؟"

"ٹوپی ایک گاؤں ہے"۔ فیاض نے کہا۔ "لارنس پور اور غازی سے آنے والی گاڑیاں تربیلا سے گزر کر ٹوپی کی طرف ہی جاتی ہیں۔"

شہزاد نے کہا۔ "آپ کہہ رہے ہیں کہ یہاں سے نکلنے کے دو ہی راستے ہیں۔لیکن یہ بھی تو ہو سکتا ہے کہ وہ شخص سڑک کے بجائے کسی کچے راستے سے بھاگ نکلنے کی کوشش کرے۔ کار کے بجائے پیدل جائے۔"

فیاض نے کہا۔ "آپ لوگوں نے شاید غور نہیں کیا۔ اس پورے علاقے کے گرد لوہے کے تار سے بنی ہوئی بلند جالیاں لگائی گئی ہیں۔ باہر نکلنے کا راستہ صرف دو سڑکوں کے ذریعے ہے۔ اور دونوں سڑکوں پر ہمارا عملہ چیکنگ کر رہا ہے۔ کار کے گزرنے کا تو خیر سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔ مجھے یقین ہے کہ وہ شخص کسی بس وغیرہ کے ذریعے اس علاقے سے فرار ہونے کی کوشش کرے گا۔"

کچھ دیر تک کمرے میں خاموشی رہی۔

پھر سیکورٹی افسر فیاض نے کہا۔ "مجھے آپ لوگوں کی مدد درکار ہوگی۔ صرف آپ لوگوں نے ہی اس شخص کو دیکھا ہے۔ میں چاہتا ہوں کہ آپ ہمارے ساتھ چلیں۔ ہم ہر گاڑی کی، ہر بس کی تلاشی لیتے رہیں گے۔ آپ ہمارے ساتھ ساتھ رہیں۔ اور انوار صاحب آپ بھی۔"

"لیکن چیکنگ تو دو جگہ ہوگی۔" انوار صاحب نے کہا۔

فیاض نے کہا۔ "دو لڑکے میرے ساتھ غازی والی چیک پوسٹ پر چلیں۔ اور دو لڑکے ٹوپی جانے والے راستے کی طرف چلے جائیں۔ میں گاڑیاں منگوا لیتا ہوں۔"

سرفراز مسکرایا۔ "یہ ٹھیک ہے۔ میں اور شہریار غازی کی طرف جاتے ہیں۔ ضیا، اور شہزاد ٹوپی پہن لیتے ہیں۔"!

شہزاد نے غصے سے کہا۔ "ٹوپی پہننی نہیں ہے۔ ٹوپی کی طرف جانا ہے۔"

اسی وقت شہریار نے کہا۔ "ایک بات تو ہم بھول ہی گئے۔" انوار صاحب نے حیرت سے پوچھا۔ "کیا۔؟"

شہر یار بولا"۔ ہم چاروں کو وہ آدمی دیکھ چکا ہے۔ ہمیں ذرا حلیہ بدل کر جانا چاہیئے تاکہ وہ ہمیں پہچان نہ سکے۔" حق اسکواڈ کے چاروں ارکان اس کی بات سن کر مسکرائے۔ وہ جانتے تھے کہ اب مقابلہ شروع ہو چکا ہے!

غازی کے بس اسٹاپ کے پاس شہر یار اور سرفراز کو پہچاننا مشکل تھا۔!

شہر یار نے ایک میلی سی دھوتی پہن رکھی تھی۔ قمیض کی جگہ بنیان تھی۔ اس کے ہاتھوں میں گنڈیریوں کی تھیلیاں تھیں اور وہ آواز لگا رہا تھا" ٹھنڈی گنڈیریاں۔ ایک ایک روپیہ میٹھی گنڈیریاں۔ ایک ایک روپیہ۔"

سرفراز کا بھی یہی حلیہ تھا۔ اس کے سر پر ایک ٹوپی تھی اور گلے میں رومال بندھا ہوا تھا۔ اس کے ہاتھوں میں مونگ پھلی کی تھیلیاں تھیں اور وہ چلا چلا کر کہہ رہا تھا" خستہ مونگ پھلی لے لو۔ کراری مونگ پھلی لے لو۔ ایک روپے میں لے لو۔"

سامنے سڑک پر گاڑیوں کی چیکنگ ہو رہی تھی۔ تربیلا کی حفاظت کرنے والے عملے کے چاق و چوبند جوان ہر گاڑی کی تلاشی لے رہے تھے۔

شہر یار اور سرفراز بھی اپنی مونگ پھلیوں اور گنڈیریوں کے ساتھ ہر کار کے قریب جاتے تھے، ہر جیپ کے پاس سے گزرتے تھے ہر پندرہ بیس منٹ کے بعد جب کوئی بس آکر وہاں رکتی تھی تو وہ اس میں چڑھ جاتے تھے۔ اسی طرح آوازیں لگاتے، مونگ پھلیاں اور گنڈیریاں بیچتے وہ تمام مسافروں کا جائزہ لے لیتے تھے۔

تین چار گھنٹے میں وہ تھک کر چور ہو گئے تھے۔

" بھائی شہر یار۔" سرفراز نے ایک بس سے ٹیک لگا کر کہا۔" میرا تو بُرا حال ہو گیا ہے۔ آخر میں کب تک مونگ پھلیاں بیچتا رہوں گا۔؟"

" اس وقت تک، جب تک میں گنڈیریاں بیچ رہا ہوں۔" شہر یار نے کہا۔

ان کے اردگرد گاڑیوں کی تلاشی لینے والے عملے کے لوگ جگہ جگہ نظر آرہے تھے۔ کچھ وردیوں میں تھے، اور کچھ سادہ لباس میں عام آدمیوں کی طرح کھڑے ہوئے تھے یا بیٹھے ہوئے تھے۔

وقت گزرتا گیا۔

دھیرے دھیرے شام ڈھل گئی اور ہر جانب اندھیرا چھا گیا۔

رات آٹھ بجے کے قریب سیکیورٹی افسر فیاض ٹہلتا ہوا آیا اور ان کے ہاتھوں میں ایک ایک بن کباب تھما کر چلا گیا۔ انھوں نے بن کباب کھا کر قریب لگے ہوئے نل سے پانی پیا اور پھر آواز لگانے میں مصروف ہو گئے۔

رات نو بجے کے قریب تربیلا سے جو بس آکر غازی پر رکی اس میں پہلے چیکنگ کرنے والے چڑھے۔ جب وہ چیکنگ کرکے نیچے اتر آئے تو شہر یار چھلانگ لگا کر اندر چلا گیا۔

"گنڈیریاں جی۔" وہ لہک لہک کر آواز لگا رہا تھا۔ "ٹھنڈی گنڈیریاں ایک ایک روپیہ۔ میٹھی گنڈیریاں ایک ایک روپیہ۔"

دوپہر سے اب تک وہ سینکڑوں چہرے دیکھ چکا تھا۔ بے شمار مسافروں کا جائزہ لے چکا تھا۔ اس بس میں بھی وہ گنڈیری کی تھیلیاں اٹھائے، آہستہ آہستہ آگے بڑھتا رہا۔ ہر بس کی طرح اس بس میں بھی بے شمار عورتیں تھیں۔ شور مچاتے لڑتے، روتے، چیختے تھے۔ غریب کسان تھے۔ نوجوان مزدور تھے۔

شہر یار جانتا تھا کہ سیاہ سوٹ سیاہ چشمے اور سیاہ ہیٹ والے آدمی نے اب تک اپنا حلیہ بدل لیا ہوگا۔ لیکن وہ صرف حلیہ ہی بدل سکتا تھا۔ دبلا ہونے کی وجہ سے مصنوعی طریقے سے موٹا نہیں ہو سکتا تھا۔ اسی لئے شہر یار صرف دبلے پتلے لوگوں کو چیک کر رہا تھا۔

اس پوری بس میں دو ہی دبلے پتلے آدمی تھے۔ ایک نوعمر لڑکا تھا اور ایک بہت بوڑھا آدمی تھا۔ نوعمر لڑکے کے پاس سے گزرتے ہوئے شہر یار نے غور سے اس کا چہرہ دیکھا۔ اسے شاید زکام ہو رہا تھا۔ وہ بار بار رومال سے ناک صاف کر رہا تھا۔ اس کی عمر بہت کم تھی۔

"ٹھنڈی گنڈیریاں۔ ایک ایک روپیہ۔" وہ آواز لگاتا ہوا آہستہ آہستہ آگے چلتا گیا۔

بوڑھے آدمی کو دیکھتے ہی شہر یار کا دل دھڑکنے لگا۔ اس کے بال سفید تھے اور داڑھی بھی سفید تھی۔ مگر وہ اتنا ہی دبلا پتلا تھا۔ اس کی گود میں سبزی کی ایک ٹوکری تھی اور ناک پر ایک ٹوٹی پھوٹی عینک جمی ہوئی تھی۔

اس کے سامنے سے گزرتے ہوئے شہر یار لڑکھڑایا۔

لیکن اس سے پہلے کہ وہ گرتا اور اس کی مونگ پھلی کی تھیلیاں بکھر جاتیں، بوڑھے نے اسے تیزی سے سہارا دے کر سنبھال لیا۔

"شکریہ باباجی۔" شہر یار نے کہا۔

"کوئی بات نہیں بیٹا۔" بوڑھے نے کہا۔ "ذرا سنبھل کر چلا کرو۔ کتنے کی ہیں گنڈیریاں۔"؟

"ایک روپے کی ہے باباجی۔" شہر یار نے کہا۔ "ٹھنڈی میٹھی گنڈیریاں۔"

بوڑھے نے جیب میں ہاتھ ڈال کر ایک روپیہ نکالا اور شہر یار کو دے دیا۔ شہر یار نے ایک تھیلی اس کے ہاتھوں میں تھما دی۔

آگے بڑھنے سے پہلے شہریار نے پوچھا "باباجی۔ یہ سبزی کہاں لے جا رہے ہو۔؟"
بوڑھے نے اپنی گود میں رکھی ہوئی سبزی کی ٹوکری کو دیکھ کر کہا۔ "گاؤں جا رہا ہوں بیٹا۔"
"بڑی تازہ سبزی ہے۔" شہریار نے اوپر رکھے ایک شلجم کو اٹھا کر کہا۔
"ہاں بیٹا۔" بوڑھے نے شلجم اس کے ہاتھ سے لے کر واپس ٹوکری میں رکھ دیا۔
شہریار نے اچانک ہاتھ ٹوکری میں ڈال کر کہا "یہ نیچے کیا رکھا ہے۔ بند گوبھی ہے کیا۔؟" ایک لمحے میں اس کا ہاتھ سبزیوں میں سے گزرتا ہوا ٹوکری کی تہہ تک پہنچ گیا جہاں کوئی سخت چیز رکھی ہوئی تھی۔
"ہاتھ نکال۔" بوڑھے نے ایک جھٹکے سے شہریار کا ہاتھ باہر دھکیل کر کہا "شرم نہیں آتی تجھے۔ کیا میری سبزی چوری کرنا چاہتا ہے؟"
"کیسی باتیں کرتے ہو باباجی۔" شہریار نے کہا "میں تمہیں چور نظر آتا ہوں۔؟"
بس میں بیٹھے ہوئے مسافر ان کی طرف دیکھ رہے تھے۔
اسی وقت سرفراز بس میں چڑھ گیا "خستہ مونگ پھلی لے لو۔ کراری مونگ پھلی لے لو۔"
بوڑھے نے کہا "چور نہیں ہے تو میری ٹوکری میں کیوں ہاتھ ڈال رہا ہے۔؟"
شہریار نے کہا "میں تو نیچے رکھی ہوئی بند گوبھی دیکھ رہا تھا۔"
"بند گوبھی نہیں ہے ٹوکری میں۔" بوڑھے نے غصّے سے کہا "ٹنڈے ہیں شلجم اور پالک اور دھنیا ہے۔"
سرفراز بھی مونگ پھلیاں بیچتا ہوا ان کے پاس آگیا تھا۔ اس نے بحث کا شور سن کر پوچھا "کیا ہو گیا ہے بے چھوٹے؟ کیوں لڑ رہا ہے باباجی سے۔"
شہریار بولا "میں کب لڑ رہا ہوں گوگو۔ یہ بابا لڑ رہا ہے۔ یہ کہہ رہا ہے ٹوکری میں بند گوبھی نہیں ہے۔"
سرفراز نے کہا "بند گوبھی نہیں ہے تو کچھ اور ہوگا۔"
"کیا ہوگا۔؟"
"کیمرہ ہوگا۔ اور کیمرے میں تصویریں ہوں گی۔"
بوڑھا اچانک اٹھ کھڑا ہوا۔ پرانی عینک کے پیچھے اس کی آنکھوں میں غصّے کی جھلک دکھائی دی تھی۔ وہ سمجھ گیا تھا کہ اسے پہچان لیا گیا ہے۔
"کون ہو تم لوگ۔؟" اس نے چیخ کر کہا "میرے پیچھے کیوں پڑ گئے ہو۔؟"
شہریار نے کہا "یار گوگو۔ مجھے تو اس کی داڑھی بھی نقلی لگتی ہے۔"

سرفراز بولا ۔ "ہاں یار چھوٹے ۔ مجھے تو بال بھی مصنوعی لگتے ہیں ۔"

شہریار نے کہا ۔ "پھر کیا کریں گوبو ۔ ؟"

سرفراز بولا ۔ " اس کو پکڑلے چھوٹے ۔"

بوڑھے نے پوری قوّت سے ہاتھ گھمایا ۔ شاید وہ شہریار کو مکّا مار کر ڈھیر کر دینا چاہتا تھا ۔ مگر شہریار تیزی سے نیچے بیٹھ گیا ۔ مکّا اس کے اُوپر سے گزر گیا ۔ اسی وقت وہ اُچھلا اس کی لات بجلی کی طرح گھومی اور بوڑھے کے جبڑے پر پڑی ۔ بوڑھا چیخ مار کر اُلٹ کر پیچھے جا گرا ۔ نیچے گرتے ہی وہ اسپرنگ کی طرح اُچھلا اور ان دونوں سے آٹکرایا ۔ شہریار گنڈیریوں سمیت نیچے گرا ۔ مگر سرفراز بوڑھے پر چھلانگ لگا چکا تھا ۔ باڈی بلڈنگ کرنے والے سرفراز نے دُبلے پتلے بوڑھے کو کھلونے کی طرح اٹھایا اور سیٹ پر دے مارا ۔ بوڑھے کا سر سیٹ کی پشت سے ٹکرایا اور وہ سر پکڑ کر بُری طرح چیخنے لگا ۔

اُسی وقت بس کے دروازے سے سیکیورٹی افسر فیاض اور انوار صاحب کئی متعدد جوانوں کے ساتھ اندر داخل ہو گئے ۔

●

واپس آتے ہوئے انوار صاحب نے ان سے پوچھا ۔ "میری سمجھ میں یہ نہیں آتا کہ تم لوگوں نے اسے پہچانا کس طرح ۔ ؟"

شہریار نے کہا ۔ "آسان سی بات تھی انکل ۔ ہم ایک دُبلے پتلے آدمی کو ڈھونڈ رہے تھے ۔ اور وہ دبلا پتلا تھا ۔ مجھے یہ بھی معلوم تھا کہ اس نے عینک بھی ضرور لگا رکھی ہوگی ۔ اس نے ہیٹ اتار کر پھینک دیا تھا اور سوٹ کے بجائے میلے کپڑے پہن لئے تھے مگر نظر کی عینک تو اسے لگانی ہی تھی ۔ لیکن اسے میں نے دراصل اس وقت پہچانا جب میں اُس کے قریب پہنچ کر لڑکھڑایا تھا ۔ وہ ایک بوڑھے آدمی کے بھیس میں تھا ۔ لیکن جب میں گرنے لگا تو اس نے کسی نوجوان کی طرح تیزی سے مجھے سہارا دیا ۔ کوئی بوڑھا آدمی اتنی پھرتی سے یہ کام نہیں کر سکتا تھا ۔"

انوار صاحب نے کہا ۔ "تم لوگوں نے بڑا کام کیا ۔ وہ ایک دشمن ملک کا ایجنٹ تھا ۔ یہاں سے تصویریں کھینچ کر ہمارے دشمنوں تک پہنچانا چاہتا تھا تاکہ انہیں تباہ کرنے کا منصوبہ بنایا جا سکے ۔ تم نے اسے ناکام بنا کر ملک کو ایک بڑے نقصان سے بچایا ہے ۔ مجھے یقین ہے کہ تم لوگوں کو اس پر انعام ملے گا ۔ تم نے واقعی کمال دکھایا ہے ۔"

سرفراز بولا ۔ "ہم نے کمال نہیں دکھایا ہے ۔ یہ حق اسکواڈ کا کمال ہے ۔"

شہریار ہنسا ۔ پھر اس نے پوری قوّت سے چلّا کر کہا ۔ "حق اسکواڈ ۔"

"زندہ باد ۔" سب نے چیخ کر جواب دیا ۔

ان کے نعرے کی گونج پوری وادی میں سنائی دی ۔

ویلکم کی کوپیکس
اینٹی لائس لوشن
جوئیں ایک بچے سے دوسرے بچے اور بڑوں میں
منتقل ہوجاتی ہیں۔ خون چوستی ہیں اور بچوں
کی ذہنی نشوونما پر اثرانداز ہوتی ہیں :
جوؤں سے موثر نجات کیلئے
کوپیکس اینٹی لائس لوشن
کوپیکس ڈی۔ڈی۔ٹی ، بی ایچ سی اور میلاتھیان
سے پاک ہے۔
کوپیکس لوشن میں جدید تحقیق پر مبنی کیڑے ماردوا
پرمیتھرین شامل ہے جو سر کی جوؤں اور لیکھوں کے
خاتمہ کے لئے نہایت موثر ہے۔
COOPEX
ANTI-LICE LOTION
FOR SAFE AND EFFECTIVE TREATMENT
OF HEAD LICE

تواضع کے بہتر آداب
فریش ویل کا انتخاب
فریش ویل
سویٹس، حلوہ جات اور
خالص دیسی گھی بیرونِ ملک بلکہ
اندرونِ ملک بھی معزز مہمانوں
کی تواضع، عزیز و اقارب اور
دوست احباب کو سوغات
کے طور پر دینے کے لئے
خوش ذوق حضرات کا
بہترین انتخاب!
Pure
Desi Ghee
AHMED
Freshwel
KARACHI
HALWA
Sohan Delight
احمد

بیجنگ

اب کراچی سے ہفتہ میں تین پروازیں

جمعرات کو کراچی سے سیدھے بیجنگ

اتوار اور منگل کو براستہ اسلام آباد

۶ر مئی ۱۹۸۷ء سے پی آئی اے نے بیجنگ کیلئے
اپنی تین ۳ سری پرواز دوبارہ شروع کردی ہے۔
قراقرم کی بلند و بالا، خوبصورت اور پُرشکوہ
چوٹیوں پر سے گزرتی ہوئی تین آرام دہ پروازیں...
ایک عظیم منزل کی طرف رواں دواں!

دن		منگل	جمعرات	اتوار
فلائٹ نمبر		۷۵۴	۷۵۰	۷۵۲
جہاز		بی ۷۰۷		
درجہ		ایف/وائی		
کراچی	روانگی	۰۵۲۰	۰۶۰۰	۰۴۰۰
اسلام آباد	آمد	۰۷۱۵		۰۵۵۵
اسلام آباد	روانگی	۸۲۰		۰۶۰۰
بیجنگ	آمد	۱۷۵۰	۱۶۵۰	۱۶۳۰

۶ر مئی ۱۹۸۷ء سے نافذ العمل — تمام اوقات مقامی ہیں۔

مزید معلومات کے لئے قریبی پی آئی اے بکنگ آفس یا اپنے ٹریول ایجنٹ سے رابطہ قائم کیجئے۔

PIA پی آئی اے

پاکستان انٹرنیشنل

باکمال لوگ - لاجواب پرواز

PID(ISLAMABAD) IAL-IPP-8-87

امّ رباب جعفری

دائرۂ مُعلومات

ہر سوال کا جواب ذیل میں دیئے گئے ۴ اشاروں کی مدد سے دینا ہوگا۔ آپ کی سہُولت کے لیئے ہم نے ہر سوال کے دُرست جواب کو دائرہ ہی میں کہیں لکھ دیا ہے اور کچھ اضافی نام بھی ساتھ ہی لکھ دیئے ہیں، جن کا سوال سے کوئی تعلّق نہیں۔ مقابلے میں شرکت کا طریقہ یہ ہے کہ آپ دائرے میں اپنے مطلوبہ جواب پر سوال نمبر لکھ دیں۔ اور اصل دائرہ کاٹ کر ۲۰ ستمبر تک ہمیں بھجوا دیں، دائرے کے بغیر جواب قابلِ قبول نہیں ہوں گے۔

انبیائے کرام	(۱) ابُوالانبیاءؑ (۲) آذر (۳) حنیف (۴) امامُ النّاس
صحابۂ کرام	(۱) ایران (۲) خندق (۳) مدآئن (۴) اہلِ بیتِ رسولؐ
تاریخ اسلام	(۱) ابوُالبہار (۲) عرُوس (۳) ۲۰ جون ۱۲۷۶ء (۴) منصوُرہ
تاریخ پاک و ہند	(۱) ۱۵۲۶ء (۲) آگرہ (۳) کابُل (۴) ۱۵۳۰ء
تحریکِ پاکستان	(۱) ۱۹۷۲ء (۲) زمیندار (۳) خیابانِ فارس (۴) کرم آباد
پاکستان کی عظیم شخصیات	(۱) چیف جسٹس (۲) غبارِ پریشاں (۳) لسانِ پاکستان (۴) ۱۹۶۲ء
پاکستان کے شہر	(۱) حنا جھیل (۲) ۳۱ مئی ۱۹۳۵ء (۳) دَرّۂ بولان (۴) شاکوٹ
عالمِ اسلام / شخصیات	(۱) الجزائر (۲) ۱۹۲۷ء (۳) ۱۹۶۵ء (۴) نیشنل لبریشن فرنٹ
عالمِ اسلام / ممالک	(۱) مشرقِ بعید (۲) رُوپیہ (۳) بٹاویہ (۴) ۱۹۵۰ء
دنیا کے بڑے شہر	(۱) ڈسٹرکٹ کولمبیا (۲) وائٹ ہاؤس (۳) جارج واشنگٹن (۴) لنکن میمُوریل
عالمی شخصیات ۱	(۱) فیلڈ مارشل (۲) دوسری جنگِ عظیم (۳) مونٹی (۴) ۹۷۶
عالمی شخصیات ۲	(۱) نابینا (۲) ۱۸۰۹ء (۳) بریل سسٹم (۴) ۱۸۵۲ء

مشہور خواتین	(۱) ریڈیم (۲) نوبل انعام (۳) فرانس (۴) ۱۹۳۴ء
مسلم سائنسدان	(۱) امام جعفر صادقؒ (۲) بابائے کیمیا (۳) ۷۲۱ء (۴) قرع انبیق
سائنس کی دنیا	(۱) ۱۸۸۱ء (۲) پنسلین (۳) نوبل انعام (۴) ۱۹۵۵ء
مشہور کھلاڑی	(۱) ۱۹۴۲ء (۲) ٹوکیو اولمپکس (۳) جنگِ ویتنام (۴) لیری ہومز
عالمی ادب	(۱) جاسوسی ادب (۲) خاتون (۳) The Mouse Trap (۴) مس مارپل
اُردو ادب	(۱) سیّد اکبر حسین (۲) الٰہ آباد (۳) لسان العصر (۴) ۱۹۲۱ء
علاقائی ادب	(۱) اٹھارویں صدی (۲) صاحبِ سیف و قلم (۳) بلوچی ادب (۴) میر نصیر خان
فنونِ لطیفہ	(۱) اسپین (۲) تجریدی مصوّر (۳) گورنیکا (۴) ۱۹۷۳ء

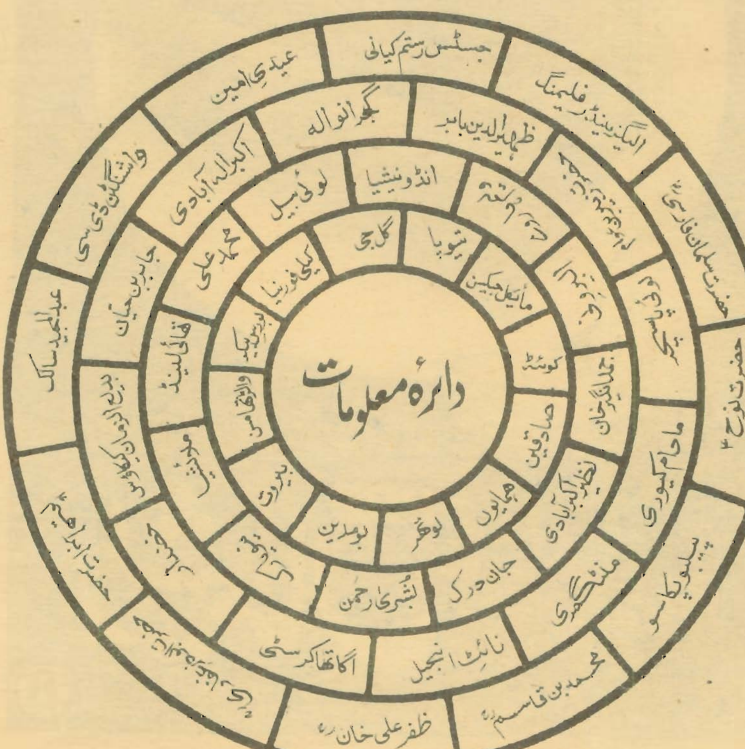

Reshma
222®
دھلائی کیلئے جدید ترین صابن
ریشماں 222®
میل کاٹنے کیلئے لیموں کے رس
اور آپکے ہاتھوں کی نازک جلد کی
حفاظت کیلئے ناریل کے تیل کی
اضافی خصوصیت کے ساتھ
AMIN
امین سوپ اینڈ آئیل انڈسٹریز (پرائیویٹ) لمیٹڈ پوسٹ بکس: 4602، کراچی۔ فون: 237856-231343
MASS

جوابات

① سراج الدولہ ② سقراط ③ غلام عباس ④ ڈارون ⑤ شیکسپیر ⑥ مرزا غالب ⑦ شاہ فیصل ⑧ شالامار باغ
⑨ راشد منہاس شہید ⑩ پطرس بخاری ⑪ حضرت یوسفؑ ⑫ گاماں ⑬ فرانس ⑭ مولوی عبدالحق
⑮ پشاور ⑯ حسرت موہانی ⑰ جمال ناصر ⑱ نپولین ⑲ نورجہاں ⑳ افغانستان

عاصم جمشید
چشتیاں بہاولنگر

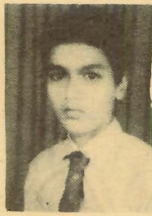

سہیل احمد قریشی
فیڈرل بی ایریا کراچی

ونود ٹی
نوکوٹ

کامران احمد صدیقی
فیڈرل بی ایریا کراچی

ندا عروج انصاری
لانڈھی، کراچی

خرم عبدالحمید بٹ
گلشن اقبال، کراچی

راشد محمود خان
لاہور

فیصل سلیم
ٹنڈو آدم

محمد جنید خان
نشتر بستی، کراچی

تین خوش نصیب ساتھی جو قرعہ اندازی کے ذریعے انعام کے حقدار پائے

- ——— محمد غلام حسین میمن۔ کھائی روڈ، حیدرآباد
- ——— سعید احمد ——— شالیمار ——— اسلام آباد
- ——— ابنِ علم مجاہد ——— صدر ——— کراچی

درست جوابات ارسال کرنے والے ساتھیوں کے نام اور تصاویر

، الیاس فاروق، ملیر، کراچی ، آصف انور، اسلام آباد ، نوید اختر، گارڈن روڈ، کراچی

، تجمل الیاس، ثمن آباد، لاہور ، انیقہ صدف، شاہی بازار حیدرآباد ، افتخار علی، شاہدرہ، لاہور
، احمد محمود، پشاور ، امداد حسین قریشی، کراچی ، شفیق الرحمٰن، حالی نگر، حیدرآباد
، محمد نصیر، راولپنڈی ، احسان بیگ، کارساز، کراچی ، ایم عتیق الرحمٰن، اورنگی ٹاؤن، کراچی
، سارہ سجاد، پشاور کینٹ ، روبینہ احمد، لیاقت آباد، کراچی ، شیخ عبدالرؤف، ٹنڈو آدم
، رضوان احمد، کراچی کینٹ ، راشد رفیع، پیر کالونی، کراچی ، زبیر اشفاق انصاری، ایم اے جناح روڈ، کراچی
، طاہرہ کوثر، لانڈھی، کراچی ، بشیر احمد، جہلم ، اشفاق احمد، لاوہ، اٹک
، محمد آصف خان، اسٹیڈیم روڈ، کراچی ، حامد الیاس، پشاور ، اظفر ضیا، پرانا سول لائنز، ساہیوال
، کاشف شمیم، لیاری، کراچی ، شہنشاہ بابر، بہاولنگر ، نجم عبداللہ ابراہیم، فریئر روڈ، کراچی
، محمد علی صابر، گوادر ، شہاب الدین، فیڈرل بی ایریا، کراچی ، مسرت جبین ناز، فیصل آباد،
، مقصود احمد صدیقی، اورنگی ٹاؤن، کراچی ، تصویر زہرا، راولپنڈی ، ماہ جبین ناز، فیصل آباد
، ایم رفیق زاہد، شاہی بازار، گوادر ، ہما نازلی، قصبہ کالونی، کراچی ، عباد علی سحر ناز، لاہور
، فرخندہ صابر، بیگم پورہ، لاہور ، ندیم میمن، فقیر کا پڑ، حیدرآباد ، محمد عمران رفیع، عیدگاہ روڈ، مردان
، ذیشان ذکی، گلبرگ، کراچی ، محمد سعید فیصل، سیٹلائٹ ٹاؤن، رحیم یار خان ، بابر رشید فاروقی، ماڈل ٹاؤن، لاہور
، مدثر مقصود، لیاقت آباد، کراچی ، جاوید اقبال ناز، فیصل آباد ، عبدالباسط محمد انور، میمن کالونی، کراچی
، سلطانہ بشیر، اسلام آباد ، ندیم احمد قریشی، ایبٹ آباد ، ماہر علی احمد، بفرزون، کراچی
، روح اللہ، پیپلز کالونی، فیصل آباد ، نجمہ فرحت، امرپورہ، راولپنڈی ، سلیم عباس، کلاں بازار، سیالکوٹ
، شہریار قادر، اسلام آباد ، سید محمد احمد، موچی بازار، سکھر ، راجہ محمود عباسی، راولپنڈی
، ساجد، سٹلائٹ ٹاؤن، راولپنڈی ، سادیہ عالم، سیدپوری گیٹ، راولپنڈی ، محمد یونس، ملیر ہالٹ، کراچی
، تبسم حسن انصاری، اردو بازار سکھر ، نائلہ بختیار، کوہاٹ، ، ظہیر الٰہی بابر، ریلوے کالونی، حیدرآباد
، امبر لطیف، چکوال ، ثاقب مسعود، بلال ٹاؤن، جہلم ، عباس حسین، شمالی ناظم آباد، کراچی
، محمد سمیع اعظم، کھاریاں ، عارف محمود عارف، پشاور صدر ، سید ثاقب امام زیدی، لوکو شیڈ، روہڑی
، منصور احمد، گڑھی شاہو، لاہور ، سارہ جاوید زبیری، نارتھ کراچی، ، حسن مہدی خراسانی، انچولی، کراچی
، عرفان قمر، ثمن آباد، لاہور ، ماجدہ سمیع سومرو، امین آباد، کوٹری ، شکیل احمد، جمرود، خیبر ایجنسی

ایک غلط جواب ارسال کرنے والے ساتھیوں کے نام

، اسمٰعیل عبدالرحمٰن، میٹھادر، کراچی ، سید آصف رضا زیدی، سی ایریا، کراچی
، کاشف رضا، ناظم آباد، کراچی ، صدف موسیٰ محمد، میٹھادر، کراچی ، حمیرا فلک ناز، دستگیر سوسائٹی، کراچی

، خرم شہزاد ڈار، کنجاہ گجرات
، محمد خالد شہاب، ایف سی ایریا، کراچی
، سید حسین علی، ناظم آباد، کراچی
، رخسانہ ناز، واہ کینٹ، راولپنڈی
، رخشندہ تابندہ ریاض، باغبانپورہ لاہور
، ریحان جمیل، شاہ فیصل کالونی، کراچی
، محمد رؤف عبّاس، کوٹ غلام محمّد تھرپارکر
، زین الدّین، گلبرگ، لاہور
، ایم سلمان علیخان، حیدر آباد
، ارشاد محمد شیخ، لطیف آباد حیدر آباد
، ایس ایم۔ راشد خلیل، گذری روڈ، کراچی

، مرتضٰی علی خان، طارق روڈ کراچی
، عمران خان، شیخوپورہ
، محمد فیروز خان، شمالی ناظم آباد، کراچی
، مہرین فاطمہ گوہر، شمالی ناظم آباد، کراچی
، جاوید اسلام، کورنگی، کراچی
، جاوید احمد، نیو مسلم ٹاؤن، لاہور
، شاہدہ فردوس، سمن آباد، لاہور
، سید اشتیاق احمد، ملیر کالونی، کراچی
، یوسف نصر اللہ، ڈیفنس سوسائٹی، کراچی
، عبدالرحیم، شوکت کالونی، ٹنڈو محمد خان
، سُہیل صدیق، نعمانیہ روڈ گوجرانوالہ

، محمد ندیم اصغر، کراچی
، سید نجم احمد رضوی، گلبرگ، کراچی
، شائستہ افسر رضوی، اسٹیڈیم روڈ، پشاور
، ٹیپو، جہلم چھاؤنی
، کاشف شکور غزل، سانگھڑ
، سید محمد تابانی، عزیز آباد، کراچی
، پروین احمد، محمود آباد، کراچی
، محمد امین سیف الملوک، سانگھڑ
، امتیاز احمد خان، ملیر ہالٹ، کراچی
، نیّر توحید، شاہ جمال روڈ شیخوپورہ
، ارم حنیف، حیدر آباد
، صبوحی بانو، کوثر ٹاؤن، ملیر، کراچی

آنکھ مچولی سروے

ساتھیو! آنکھ مچولی کا آئندہ شمارہ "کرکٹ اسپیشل" ہوگا۔ قومی کرکٹرز کے بارے میں دوستوں کی اکثریت کی پسند و ناپسند جاننے کے لیے ایک سروے کیا جا رہا ہے۔ ذیل میں دیئے گئے دو سوالات کے جواب کوپن کے ساتھ ارسال کریں۔ کوپن بھیجنے کی آخری تاریخ ۵ ستمبر ۱۹۸۷ء ہے۔ بغیر کوپن کے جوابات قبول نہیں کیے جائیں گے۔ جوابات بھیجنے والے بچّوں کے نام "کرکٹ اسپیشل" میں شائع کیے جائیں گے۔

کوپن کرکٹ اسپیشل سروے

میرا پسندیدہ ترین کرکٹر ---------------- پسندیدگی کی وجہ ----------------

میرا ناپسندیدہ ترین کرکٹر ---------------- ناپسندیدگی کی وجہ ----------------

نام ---------------- مکمّل پتہ ----------------

"کرکٹ اسپیشل سروے" ماہنامہ آنکھ مچولی۔ ڈی۔ ۱۱۲ نورس روڈ۔ سائٹ، کراچی ۱۶

گاہک: (مینیجر سے) معلوم ہوتا ہے کہ آپ کے ریستوران کے باورچی خانہ میں صفائی و ستھرائی کا بہت خیال رکھا جاتا ہے۔

مینیجر: (خوش ہوکر) بہت شکریہ جناب، لیکن آپ نے یہ اندازہ کیسے لگایا؟

گاہک: اس لئے کہ کھانا کھانے میں صابن کا مزہ آرہا تھا۔

(خالدہ عندلیب ـــــ شاہ فیصل کالونی)

استاد: (شاگرد سے) بتاؤ اگر کوئی ۱۹۳۵ء میں پیدا ہوا ہو تو اب اس کی عمر کیا ہوگی؟

شاگرد: وہ مرد ہے یا عورت؟

استاد: اس سے کیا فرق پڑتا ہے؟

شاگرد: اگر وہ مرد ہوگا تو اس کی عمر ۵۲ سال ہوگی اور عورت ہوگی تو مشکل سے ۳۰ سال کی ہوگی۔

(روبینہ اختر بلوچ ـــــ نواب شاہ)

ننھا راشد پہلی بار اسکول گیا تو استاد نے پیار کرتے ہوئے اس سے پوچھا:

"اب جب تم اسکول آنے پر راضی ہوگئے ہو اور یہاں تمہارا پہلا دن ہے تم سب سے پہلے کیا کرنا پسند کروگے؟"

"گھر واپس جانا"

راشد نے فوراً جواب دیا

(سہیل منصور ـــــ ملیر کالونی کراچی)

استاد: نیوزی لینڈ کا موسم کیسا ہے۔؟

شاگرد: بہت ٹھنڈا

استاد: بالکل غلط

شاگرد: لیکن سر وہاں سے جو گوشت آتا ہے وہ بالکل یخ ہوتا ہے۔

(شاہ نواز خان ـــــ اورنگی کراچی)

کلاس ٹیچر نے پوچھا کیا کوئی ایسی اہم چیز کا نام بتا سکتا ہے جو سو سال پہلے دنیا میں موجود نہیں تھی۔

کلاس کی سب سے چھوٹی بچی نے ہاتھ کھڑا کردیا۔

"شاباش تم بتاؤ صائمہ" ٹیچر نے کہا۔

"میں" صائمہ نے جواب دیا۔

(عبدالرحمٰن جدون ـــــ کراچی)

استانی: سعدیہ، فروٹ کیک میں لگانے کے لئے کیا چیز سب سے بہتر ہے۔

سعدیہ: دانت

(ایم، جے شمشیر ـــــ کراچی)

میرے دستکاری کے ٹیچر مجھ سے ناراض ہیں، وہ میرے
کئے ہوئے کام کو بالکل پسند نہیں کرتے۔"
"اچھا؟ تم ایسا کیا کام کرتے ہو۔؟"
"غلطیاں۔"
(صلاح الدین، ——— بھاٹی دروازہ، لاہور)

استاد: تم آج پھر لیٹ ہو ٹامی، آئندہ ایسا نہیں ہونا چاہئے۔
ٹامی: سر اس میں میرا کوئی قصور نہیں ہے۔ میری بس
آج بھی لیٹ تھی وہ اکثر لیٹ ہو جاتی ہے۔
استاد: ٹھیک ہے اگر کل بھی بس لیٹ ہو جائے تو اس
سے پہلی بس پکڑ کر آجانا۔ وقت پر پہنچ جاؤ گے۔
(لبنیٰ آصف ——— ملیر کراچی)

استاد: اگر میں کہوں۔ میں چلا گیا ہوں ہوں گا، یہ جملہ غلط
ہوگا۔ ہے نا؟
شاگرد: جی ہاں بالکل غلط ہے۔
استاد: کس طرح ثابت کرو۔
شاگرد: اس لئے کہ آپ ابھی تک یہیں ہیں۔
(فوزیہ عزیز ——— محمدی کالونی کراچی)

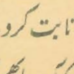

جغرافیہ کے استاد نے ریحان سے کہا "نقشہ میں آسٹریلیا
تلاش کرو"
ریحان نے ڈھونڈ ڈھانڈ کر آسٹریلیا پر انگلی رکھ دی۔
"ٹھیک ہے بیٹھ جاؤ"
کچھ دیر بعد انہوں نے لبنیٰ سے پوچھا۔
"آسٹریلیا کس نے دریافت کیا؟"
"ریحان نے" لبنیٰ نے جواب دیا۔
(فوزیہ شفیق ——— لیاقت آباد کراچی)

ڈاکٹر: آپ کے جسم میں وٹامنز کی کمی ہے اسے پورا
کرنے کے لئے آپ ایسے پھل زیادہ استعمال کریں جنہیں چھلکے
سمیت کھایا جاسکے، ویسے آپ کا پسندیدہ پھل کون سا ہے؟
مریض: ناریل
(بلقیس بانو ——— کراچی)

چھاپہ خانوں کی ہڑتال کے باعث ایک بار نیویارک
میں سترہ روز تک اخبارات شائع نہیں ہوسکے۔ ایک اخبار
کے ایڈیٹر کو کسی خاتون کا فون موصول ہوا جو بگڑتے ہوئے کہہ
رہی تھی۔
"آپ کیسے ایڈیٹر ہیں کہ آپ کو پہلے سے ہڑتال کا اندازہ
نہیں ہوا۔ آپ کو چاہیے تھا کہ کئی دن کے اخبار اکٹھے چھپوا لیتے۔"
(نوشابہ اختر ——— حیدرآباد)

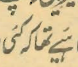

ایک پادری صاحب روزانہ سونے سے پہلے اپنی ننھی
بیٹی کو دلچسپ اور سبق آموز کہانی سناتے تھے۔
ایک بار انہوں نے ایسی ہی متاثر کن اور سبق آموز
کہانی سنائی۔
لڑکی نے پادری صاحب سے پوچھا۔
"پاپا یہ واقعی سچی کہانی ہے یا آپ وعظ کر رہے تھے"

اِک نیا کمال
اِک نیا معیار
نئے دَور کی نئی پینسل
Goldfish
DELUXE PENCIL
شاہ سنز لمیٹڈ
ڈی ۸۸ - ایس - آئی - ٹی - ای - کراچی
فون : ۲۹۳۴۵۱ ، ۲۹۳۴۵۲
Midas Khi

افغانستان کے پس منظر میں لکھا ہوا سلسلہ وار ناول

ایف ملک سلیم

پاسبان

قسط نمبر ۳

میں دوسرے افغان مجاہدین کے ساتھ ایک کیمپ میں قید تھا۔ جورگن نام کا ایک فوجی مجھ سے یہ راز معلوم کرنے آیا کہ جلال آباد کا پُل کس نے تباہ کیا تھا۔ اس مقصد کے لیے اس نے مجھ پر اتنا تشدد کیا کہ میں بے ہوش ہوگیا۔ دوسری جانب کے جی بی کا ایک ایجنٹ راک آر کنڈ افغان مجاہدین کی سرکوبی کے لیے قندھار پہنچ چکا تھا۔ اُسے ابلال، ارفع اور ارمغان کی تصویریں دکھائی گئیں۔ یہ تینوں روسیوں کے لیے درد سر بنے ہوئے تھے۔ ایک روسی فوجی ایڈرک مذہب اسلام قبول کر کے مجاہدین کا ساتھ دے رہا تھا۔ راک آر کنڈ کو اس پر شک ہوا اور اُس نے اُسے گولی مار دی۔ وہاں جب میں ہوش میں آیا تو جورگن میرے سر پر بدستور موجود تھا۔ دوسری طرف ابلال، ارفع اور ارمغان نے فیصلہ کیا کہ ایڈرک کی موت کا بدلہ لیا جائے گا۔ اگلے دن کوڑے کے ڈرم سے ایڈرک کی مسخ شدہ لاش ملی اور تمام اخباروں میں شہ سُرخیوں کے ساتھ یہ خبر چھپی۔ ادھر اسپتال میں ایک ڈاکٹر کی مدد سے، جو میرا ہمدرد بن گیا تھا، میں فرار ہونے والا تھا کہ یکایک جورگن آموجود ہوا۔ اب آگے پڑھیے۔

مجھے ایسا محسوس ہوا جیسے ایک زلزلے کی سی کیفیت مجھ پہ طاری ہو گئی ہے ..... مجھے لمحہ بھر میں کوئی نہ کوئی فیصلہ کرنا تھا۔ زندگی کو ایک دفعہ پھر داؤ پہ لگانے کا وقت آ پہنچا تھا..... لیکن جو فیصلہ میں کرنے لگا تھا اس میں میری جیت کم شکست زیادہ تھی لیکن میں نے خدا کا نام لیا اور پھر......

ہنستا ہوا جورگن شاید اپنی اس کامیابی پہ اتنا خوش تھا کہ میرے ہاتھ میں موجود ریوالور بھی نہ دیکھ سکا.....
میں ایک دم لیٹا اور قلابازی کھا کر آگے بڑھتے ہوئے ٹرائیگر دبا دیا...... ریوالور میں سے ایک شعلہ لپکا اور جورگن کے ہاتھ پہ جا لگا... شاید گولی ہتھیلی کے اوپر ہاتھ کی نس میں جا لگی تھی..... جورگن کی چیخ نے پورے ہال کو ہلا کر رکھ دیا..... مشین گن اس کے ہاتھ سے دُور جا گری تھی۔

میں موقع ضائع نہیں کرنا چاہتا تھا.... دروازے سے جانا خطرناک تھا.... اور پھر دوسرے راستہ سے مجھے دو فوجی بھاگتے ہوئے نظر آئے.... میں فوراً سیڑھیوں کی طرف بھاگا اور جلدی جلدی سیڑھیاں پھلانگتا ہوا چھت پہ چڑھ گیا اچانک مجھے زوردار سگنل کی آواز سنائی دی.. آواز تھمنے کا نام ہی نہیں لے رہی تھی.... لوگوں کی دھیمی دھیمی آوازیں مجھ تک پہنچ رہی تھیں..... نیچے کافی گہرائی تھی.... اور میں چھلانگ لگاتے ہوئے ہچکچاہٹ محسوس کر رہا تھا۔

یکایک مدھم آواز بلند ہوتی گئی... شاید کچھ لوگ اُوپر آ رہے تھے.... میں نے اللہ کا نام لیا اور نیچے چھلانگ لگا دی۔

" ہمارے خلاف کانٹوں کے نئے جال بُن دیئے گئے ہیں" ۔ ابلال نے اخبار پھینکتے ہوئے کہا۔

" ایڈرک جو ہمارا ساتھی تھا اس کو قتل راک نے کیا، الزام ہمارے سر تھوپ دیا اب صرف ایک ہی راستہ ہے ہم لوگوں کے پاس اور وہ یہ کہ راک پر آج رات حملہ کیا جائے" ۔ ارفع نے خیال ظاہر کیا۔

" ہاں میں بھی یہی سوچ رہا ہوں لیکن راک ایک بین الاقوامی شخصیت ہے..... اس کو اس طرف کس نے راغب کیا یہ ہمیں معلوم کرنا ہے اور دوسری بات ہمیں اس شخصیت کا نام معلوم کرنا ہے جو صحیح معنوں میں اس فساد کی جڑ ہے وہ روسی رہنما کون ہے.... اس کو مارنا اگرچہ مشکل ہے شاید ناممکن نہیں .... لیکن میں ایک بات وثوق کے ساتھ کہہ سکتا ہوں.... وہ جو بھی ہے..... اس کے مرنے سے روسی جارحیت کا زور ٹوٹے گا.... اس کا شیطانی دماغ اگر ہمیشہ کے لئے دبا دیا جائے تو پھر ہم کچھ سنبھل سکیں گے ان کے یکے بعد دیگرے اوروں سے بھی نجات پائیں گے" ابلال نے ایک ہی سانس میں سب کچھ کہہ دیا۔

" تمہاری بات وزن رکھتی ہے۔ لیکن یہ کام جان جوکھوں والا ہے " ارمغان نے کہا اور اخبار زمین سے اٹھانے لگا

ﷺ " جان کی بازی لگانے والا ہوتا ہے جانباز — مرنے کا ہے جینے کا ہے اپنا ہی انداز"

ابلال نے جذباتی لہجے میں کہا۔ تمہاری اس بات نے ہمارے ارادے پہلے کی نسبت اور مضبوط کر دیئے ہیں۔ ٹھیک ہے پھر آج ہی حملہ کی تیاریاں شروع کر دینی چاہئیں۔

میں جیسے ہی زمین پہ گرا مجھے ایسا محسوس ہوا کہ میری ایک ٹانگ ٹوٹ گئی کیوں کہ زمین پہ گرتے ہی میرا اُلٹا پاؤں مُڑ گیا تھا۔ اچانک اُوپر سے فائرنگ کی آواز سنائی دی..... شاید وہ اندھیرے میں ہی فائرنگ کر کے مجھے مارنا چاہتے تھے۔

میں بمشکل کھڑا ہوا... میرے پاؤں میں بہت سخت موچ آگئی تھی... لیکن میں سیدھا ہوتے ہی بھاگا .... یہ علاقہ میرا دیکھا بھالا معلوم ہو رہا تھا... سیدھے ہاتھ پہ چاند کی روشنی میں کھیت دیکھ کر مجھے اندازہ ہوا کہ یہ جلال آباد کا مشرقی حصّہ ہے۔ جہاں ہمارے کسان بھائی کسی وقت میں کھیتی باڑی کیا کرتے تھے داہنی طرف امرود کے درخت تھے میں اُسی سمت بھاگا۔ میری رفتار کافی کم تھی۔ مجھے ڈر تھا کہ کہیں اب میں پکڑا نہ جاؤں......

"اچانک کتّوں کے بھونکنے کی آوازیں میرے کانوں تک پہنچیں۔" اوہ شاید انہوں نے میرے پیچھے شکاری کتّے دوڑا دیئے ہیں۔ میں نے سوچا اور اپنی رفتار تیز کر دی......

میرے نزدیک روسی اور ان کے کتّوں میں کوئی فرق نظر نہیں آرہا تھا بس ان کے پاس زبان تھی اور کتّے بے زبان" میں بھاگنے کے ساتھ ساتھ بچاؤ کی کوئی تدبیر بھی سوچ رہا تھا کیوں کہ فرار کے بعد آزادی کی ہوا نے مجھے غلامی کی زنجیروں سے نفرت پیدا کر دی تھی....

یکایک میرے ذہن میں ایک خیال آیا اور میں نے قمیض اُتار دی اور ایک لمبے سے درخت کی سب سے اونچی شاخ پہ پھینک دی۔ درخت کافی گھنا تھا اور میری کالی قمیض اس میں چُھپ گئی تھی......

میں رُکا نہیں اور بھاگتا رہا.... اور پھر ایک جگہ رُک کر منظر دیکھنے لگا۔ کتّے جیسے ہی درخت کے قریب پہنچے بھونکنے لگے وہ آگے نہیں بڑھ رہے تھے... فوجیوں نے جو یہ منظر دیکھا تو درخت پر فائر جھونک دیا... خدا کی قدرت کہ کوئی جانور اُوپر موجود تھا جو شور سے اور اُوپر چڑھ گیا۔

فوجیوں کو یقین ہو گیا کہ اُوپر کوئی ہے... میرے لئے اتنا ہی وقت کافی تھا... ان جگہوں کو پہچانتے ہوئے میں ایک آسان راستے کی طرف بھاگا اب کتّوں کی آوازیں سنائی نہیں دے رہی تھیں۔

تاریکی میں چاند کی روشنی ماحول کو اور بھی پُراَسرار کر رہی تھی... تین سائے نواحی علاقے میں داخل ہو چکے تھے.... خاصے فاصلے پر بڑے اور حویلی نما مکانوں کے اس علاقہ کو سیول آر کر کہا جاتا ہے اس علاقہ میں زیادہ تر گورنمنٹ کے ہی افراد رہائش پذیر تھے.....

اَبلال اگلے مرحلہ کا جائزہ لے چکا تھا اور اسے اندازہ ہو گیا تھا کہ مسلّح فوجیوں کی موجودگی میں جانا خطرے

سے خالی نہیں وہ تینوں اب پیچھے کی طرف آ گئے تھے تاریکی ہونے کے باوجود زمین پہ مُنہ کے بل رینگ کر آگے بڑھ رہے تھے... نوکیلے پتھر اور مٹی نے ان کی کُہنیاں چھیل دی تھیں۔

عمارت کے پیچھے کا حِصّہ ویران پڑا تھا... لیکن دیوار کافی اونچی تھی "ارمغان میں تمہارے کندھوں پہ پیر رکھ کر اُوپر چڑھ سکتا ہوں" ابلال نے کہا تو ارمغان نیچے بیٹھ گیا ابلال نے مشین گن ارفع کے ہاتھ میں پکڑا دی اور ریوالور جیب میں رکھ کر ارمغان کے کندھوں پر چڑھ گیا ارمغان اونچا ہوا تو ابلال نے مضبوطی سے دیوار کو پکڑ لیا۔

"آہ...." ابلال کے منہ سے آواز نکلی۔

"کیا ہوا!" ارفع چونک گیا۔

"دیوار پر کانچ لگا ہوا ہے اور میری دونوں ہتھیلیاں زخمی ہو گئی ہیں۔ لیکن میں اُوپر چڑھ رہا ہوں..... اور اس جگہ سے کانچ نکال کر تمہیں اُوپر آنے کا کہتا ہوں" ارمغان کی آواز مدھم پڑ گئی تھی۔

"اللہ مددگار" ارفع نے فوراً کہا۔

ابلال اوپر چڑھ گیا دیوار کافی چوڑی تھی اس نے کانچ نکالنا شروع کر دیئے..... اس کے زخمی ہاتھ مزید چھِل چکے تھے۔

"آجاؤ" اس نے کہا۔

تھوڑی ہی دیر بعد دونوں اُوپر تھے.... ارمغان کو دونوں نے پکڑ کر اوپر کھینچ لیا تھا۔ نیچے پھلانگنے میں انہیں کوئی پریشانی نہیں ہوئی کیوں کہ گھاس نے آواز کو دبا دیا تھا۔

"آؤ... میرے خیال میں اس کا کمرہ اُوپر ہو گا" ابلال نے اوپر کمرے میں روشنی دیکھتے ہوئے کہا۔

سیڑھیاں ویران تھیں تینوں باآسانی اوپر پہنچ گئے جس کمرے میں روشنی ہو رہی تھی وہاں پہنچ کر انہوں نے سوراخ سے دیکھا ایک آدمی دوسری طرف مُنہ کئے بیٹھا تھا.....

ابلال نے اشارہ کیا اور پھر بغیر آواز کئے دروازہ کھُلا جیسے ہی تینوں اندر داخل ہوئے چونک گئے... ان کے اُوپر سے حیرتوں کے طوفان گزر گئے....

دروازہ کھلتے ہی جیسے ہی وہ داخل ہوئے تھے۔ دو مسلح افراد ایک دم سامنے آ گئے۔ ان کے ہاتھ میں اٹیس نظری رائفلیں موجود تھیں۔

سامنے بیٹھا آدمی مُڑا.... اس کے ہاتھ میں ریوالور موجود تھا۔ "ٹھیک ہے تم دونوں جا سکتے ہو" اس نے

مُڑ کر دونوں مسلح افراد کی طرف دیکھ کر کہا۔

"یہ سب میری چال تھی اور تم اس میں پھنس گئے.... تمہاری ایک ایک کارروائی میں ٹی وی پر دیکھ رہا تھا ویسے تم ہو ہُنرمند..... لیکن اب تمہاری موت میرے ہاتھوں مقرّر ہو چکی ہے" اس آدمی نے مسلّح افراد کے جانے کے بعد کہا۔

"موت تو خداوندکریم کی اجازت سے آتی ہے اس میں بندوں کا کیا دخل"۔

" مسٹر راک" ابلال نے بے خوفی سے کہا۔

" ہوں تو تم پہچان گئے...." اس نے مُسکرا کر کہا اور پھر ایکدم پلیٹ کر بولا۔

" میں کسی کو کچھ نہیں سمجھتا.... میں نے اپنی تقدیر خود لکھی ہے ..... اور ویسے بھی مجھے اس دنیا نے کیا دیا بچپن میں ٹھوکریں، ماں باپ سے جدائی....."

" تمہیں معلوم ہے کہ یہ جہاد ہم کیوں لڑ رہے ہیں ؟" ارفع نے کہا۔

" ہاں تم یہ ملک واپس حاصل کرنا چاہتے ہو" راک نے ایکدم جواب دیا۔

" نہیں ..... یہ نہیں..... دراصل یہ ایک اسلامی ملک ہے .... مسلمانوں کا ملک ..... ہم مسلمان پھر کس طرح یہاں کسی اور کو آتا دیکھ سکتے ہیں۔ ہم لوگ اسلام کا نام بلند کرنا چاہتے ہیں...... اس ملک کو اسلامی ملک ہی کی پہچان سے دنیا میں قائم رکھنا چاہتے ہیں"

" ہم میں کوئی بھی ختم نہیں ہوتا ہم سے محبّت کرنے والے اس دنیا سے دُور اُس خالقِ حقیقی کے پاس چلے جاتے ہیں..... لیکن ہم مسلمان ہوں گے اور تم کافر...." ارفع نے کہا۔

" تم ایک اَن دیکھے کو خدا کہتے ہو" راک کو شاید بحث اچھی لگ رہی تھی۔

" اس دنیا میں ایسی بہت سی چیزیں موجود ہیں جو تمہیں ہمیں نظر نہیں آتیں لیکن یہ حقیقت ہے ہم ان کے بغیر زندہ نہیں رہ سکتے.... کیا ہوا نظر آتی ہے..... نہیں..... اگر تم اس حقیقت سے انکار کرتے ہو تو اپنا سانس روک لو.... اسی طرح وہ خدا نظر نہیں آتا لیکن ہم اس کے بغیر زندہ نہیں رہ سکتے..."

ارمغان نے کہا تو راک حیرت سے تینوں کو تکنے لگا....

" میں تمہاری اس بات کا اقرار کرتا ہوں ..... واقعی ..... واقعی.... تم صحیح کہہ رہے ہو" اس کے لہجے میں شرمندگی تھی۔ مسٹر راک ہم یہ جنگ نہیں لڑ رہے بلکہ اپنا حق مانگ رہے ہیں۔ تاریخ گواہ ہے۔ کسی مسلمان نے کسی کو تلوار دِکھا کر کبھی مسلمان نہیں کیا ہم امن پسند رہنا چاہتے ہیں... امن کا گہوارہ ثابت ہونا چاہتے ہیں۔ مسٹر راک اس

آپ کی پسندیدہ اور مقبول ترین

بِلّی مارکہ

میٹرو مِلن

اگربتّی

بھینی بھینی

اور مسحور کُن خوشبو والی

بِلّی مارکہ

میٹرو مِلن اگربتّی

سیلوفین ایئر ٹائٹ پیکنگ میں

ٹیئر اِسٹریپ کے ساتھ

تمام ممتاز ڈیلروں سے دستیاب ہے۔

تیار کردہ:

میٹرو اگربتّی کمپنی پوسٹ بکس نمبر ۴۸۸۔ کراچی

فون: ۲۹۲۷۳۷ - ۲۹۰۸۷۷ - ٹیلیکس، ۲۳۴۳۴ میٹرو پی کے

دنیا میں اتنا کماؤ جتنا خرچ کر سکو۔ جب تم مرجاؤ گے تو اس دنیا سے دولت نہیں اپنے اعمال لے کر اُوپر جاؤ گے"۔ ابلال نے جذباتی لہجے میں کہا۔

راک کے ہاتھ سے ریوالور گر گیا اس کی آنکھیں بھر آئیں تھیں اور وہ پھوٹ پھوٹ کر رونے لگا تینوں کے چہروں پر حیرانگی کے اثرات تھے......!

"مسٹر راک یہ آپ.....کو.....کیا ہوا" ابلال نے آگے بڑھ کر کہا۔

"میں اب تک شاید ان بے علم لوگوں میں کھڑا تھا جو شاید دنیا کی ہر بات اسلحہ کے زور پر بولتے ہیں.....لیکن آج احساس ہوا.....بات میں جو وزن ہے وہ کسی اور شے میں نہیں.....میں.....میں...مسلمان ہونا چاہتا ہوں" راک نے کہا اور پھر ابلال سے لپٹ گیا.....

"مجھے معاف کر دو.....میں.....میں ایک سچا اور پکا مُسلمان بننا چاہتا ہوں تاکہ خدا کے سامنے نظریں جھکا کر کھڑا ہو سکوں" راک نے آنسو پونچھتے ہوئے کہا۔

"یہ.....یہ ہم سب کے لئے بڑے فخر کی بات ہے" ارمغان نے جذباتی لہجے میں کہا۔

"تمہاری جنگ میں اب میں بھی شریک ہوں" راک نے کہا۔

"کہو۔ اشھدُ ان لا اِلٰہ اِلا للہ وحدہٗ لاشریک لہٗ واشھد انّ محمداً عبدہٗ ورسولہٗ"

راک نے یہ الفاظ دہرائے اور پھر دل کی گہرائیوں سے ہاتھ بلند کر کے اپنے سچے رب سے اپنے گناہوں کی معافی مانگی.....

"راک آج سے تمہارا نام حبیب بکر ہے.....تمہارے نام کا پہلا لفظ ہمارے پیارے رسولؐ اور دوسرا پہلے خلیفہ کا ہے....."

"آج سے میں وعدہ کرتا ہوں کہ ان روسی کتّوں کے عزائم خاک میں ملا دوں گا ایک مسلمان کی حیثیت سے میں اپنا فرض دیانت داری اور ایمانداری سے ادا کروں گا۔ یا خدا مجھ میں ان ظالموں سے ٹکرانے کا حوصلہ پیدا کر" حبیب بکر نے کہا"

"آمین" تینوں نے یک زبان ہو کر کہا۔

"میرے خیال میں اب ہمیں واپس پہاڑ کی طرف چلنا چاہیئے کیا حبیب تم ہمارے ساتھ چلنا پسند کرو گے" فارع نے گھڑی دیکھتے ہوئے کہا۔

"واہ، کیوں نہیں" حبیب فوراً تیار ہو گیا۔

میں ایک دن کی مسافت طے کرنے کے بعد پہاڑی غار میں پہنچ گیا تھا... میری حالت بہت خراب ہو رہی تھی... پاؤں کا درد اب ختم ہو گیا تھا میری شیو بھی بڑھی ہوئی تھی.... اسپتال کے سفید کپڑے بڑی طرح گندے ہو گئے تھے.... اور کئی جگہ سے پھٹ بھی گئے تھے.... اندر مجھے تینوں میں سے ایک بھی نہیں ملا۔ لیکن ان کے سامان اور دیگر چیزوں سے پتہ چل رہا تھا کہ یہ لوگ کسی مشن پر گئے ہوئے ہیں مشن کا اندازہ میں نے اسلحہ نہ ہونے کی وجہ سے لگایا.... اچانک میری نظر اخبار پر پڑی اور میں اسے اٹھا کر پڑھنے لگا...." اوھو ایڈرک کو قتل کر دیا گیا" میں نے افسوس بھرے لہجے میں کہا۔

ایڈرک میرا بہت اچھا دوست تھا اور اسے میں نے ہی مسلمان کیا تھا وہ اسلام سے بہت محبت کرتا تھا میں نے اخبار رکھا اور ابلال کے کپڑے نکال کر دیکھنے لگا اچانک میری نظر ابلال کی ڈائری پر پڑی اور میں اسے کھول کر پڑھنے لگا.... کچھ دیر بعد میں نہا کر مطمئن ہو گیا تھا......"

دیگچی میں رکھا ہوا سالن شاید دوپہر کا تھا لیکن بھوک کے وقت یہ بہت اچھا لگ رہا تھا.... میں نے جلدی جلدی کھانا کھایا اور اپنی اٹیچی میں سگریٹ تلاش کر کے جلائی۔ میں نے اندازہ لگایا کہ وہ لوگ آ رہے ہیں لیکن میں نے ایک بات محسوس کی کہ یہ چار مختلف آدمیوں کے قدموں کی آوازیں ہیں۔ میں ایک کونے میں جا کھڑا ہوا۔ تینوں اندر داخل ہوتے نظر آئے۔ ان کے ساتھ ایک روسی اجنبی بھی تھا لیکن اس کا انداز دوستانہ تھا... میں فوراً سامنے آ گیا۔

ایک منٹ کے لئے چاروں رک گئے.... اور پھر ابلال چلاتا ہوا بھاگا اور مجھ سے لپٹ گیا۔

"آپ .... آپ کب آئے۔"

"بس تم لوگوں نے مجھے زندہ رکھا ورنہ شاید میں...." میں اس سے آگے نہ بول سکا۔

"میں ان کا تعارف کرادوں" ابلال نے مجھ سے گلے ملنے کے بعد کہا۔

میں جانتا ہوں یہ ہیں روسی کرائے کے قاتل راک اور انہوں نے ہی ایڈرک کو قتل کیا ہے" میں نے کہا تو سب چونک پڑے لمحہ بھر کے لئے سب کو حیرانی محسوس ہوئی۔

"آپ کو یہ سب کچھ کس طرح پتہ چلا" ارتغ چونکا۔ میں نے مسکرا کر کہا اور بیٹھ کر اپنے اوپر پیش آنے والے واقعات سنا ڈالے۔

"واقعی آپ حیرت انگیز طور پر بچ کر آئے ہیں" ارمغان نے حیرت سے کہا۔

ابلال کچھ دیر خاموش رہا اور پھر اس نے سارے واقعات سنائے اور اب تو مسٹر راک مسلمان ہو گئے ہیں......"

"حبیب بکر صاحب میں آپ کو مبارک باد پیش کرتا ہوں"۔ میں نے ہاتھ بڑھایا۔

"یہ ہے چیف آف آرمی اسٹاف وائز مین اور یہ اس کا عیار سیکرٹری شامیر" حبیب نے ۲ تصویریں میز پہ رکھتے ہوئے کہا۔۔۔۔

میں نے دیکھا تصویر میں ایک شخص دیوار سے ٹیک لگائے کھڑا تھا۔۔۔۔۔ ہونٹوں پہ سلگتا ہوا سگار اور دونوں ہاتھ جیب میں "قد تقریباً ۶ فٹ کے قریب تھا۔۔سائیڈ کی مانگ پر سنورے ہوئے بال اور گھنی مونچھیں۔

دوسری تصویر جو شامیر کی تھی وہ ایک کرسی پر بیٹھا ہوا مسکرا رہا تھا۔۔۔۔۔قد درمیانہ ہی سا نظر آ رہا تھا۔۔۔۔سر پر ایک گومڑا اور کلین شیو۔

وائز مین ہی وہ شخصیت ہے جس نے نہ صرف اس جنگ کو شروع کروانے پر زور دیا بلکہ ہمارے پڑوسی ملک پاکستان پر بھی قبضہ کرنے کی سازش کی اور اس سلسلے میں اس کا مددگار ہندوستان ہے جو ایک پورا جال پھیلا رہا ہے جس کے تحت وہ بآسانی بنگلہ دیش، برما پر قبضہ کر سکتا ہے اور اسی طرح چین پر بھی اور پھر ہوگا یہ کہ پورے ایشیاء پر ان کا قبضہ ہو جائے گا۔۔۔۔۔ ہمیں ان کے پہلے ہی حملہ کو ناکام بنانا ہے۔۔۔۔۔

وائز مین کی پوری فیملی ماسکو میں ہے اور یہ اکثر و بیشتر بیرون ملک دورے پر رہتا ہے اس کا سیکرٹری جو خود بھی شیطانیت کا جیتا جاگتا ثبوت ہے۔ ہر دم ہمیں نقصان پہنچانے کا سوچتا رہتا ہے۔

آپ کو شاید اندازہ نہیں اس جنگ میں روزانہ ۴۰ کروڑ ملین ڈالر خرچ ہو رہے ہیں۔

اب میں اصل مسئلہ کی طرف آتا ہوں۔۔۔ میں نے آج شامیر سے کونٹیکٹ کیا تھا وہ کابل میں مردان اپارٹمنٹ میں رہائش پذیر ہے۔

فیز ۲ میں اس کا (۱۰۰۰) ایک ہزار گز پر بنگلہ ہے جہاں یہ جب بھی کابل آتا ہے رہتا ہے۔۔۔۔میری اس سے تقریباً ایک گھنٹے فون پر بات ہوتی رہی اور میں نے اب تک کے مسائل و کامیابیوں پر ڈسکس کی۔۔۔۔۔اگلے ہفتہ کو پیر کے دن شام ۶ بجے اس سے میری ملاقات مقرر ہو چکی ہے۔۔۔۔مزے کی بات یہ ہے کہ اب تک کسی کو بھی میری غداری کے متعلق علم نہیں ہوا۔ یہ میں اس وجہ سے کہہ رہا ہوں کہ میں سمجھتا تھا کہ شاید میرے پیچھے کے۔جی۔بی کے نمائندے لگے ہوئے ہیں۔۔۔۔۔لیکن ایسی کوئی بات نہیں۔۔۔۔" حبیب نے کہا اور سگریٹ نکالی۔ میں نے ایک سگریٹ لی اور پھر پیتے ہوئے کہا۔

"میں چاہتا ہوں کہ اس سے کچھ معلومات حاصل ہوں" ابلال نے خیال ظاہر کیا۔ یہ ہے کابل کا مکمل نقشہ۔۔۔ یہ ہے ڈور گین اسٹریٹ۔۔۔۔۔اس اسٹریٹ تک پہنچنا کوئی مشکل نہیں لیکن اصل مسئلہ آگے ہے۔۔۔اب یہاں

سے دو راستے جاتے ہیں ایک بیگاہ روڈ اور دوسرا مردان اسٹریٹ نمبر ا ہمیں فیز نمبر ا کی طرف سے جانا پڑے گا..... لیکن جس جگہ سے فیز نمبر ۲ اور نمبر ۳ شروع ہوتے ہیں وہاں سے ہم فیز نمبر ۳ کی طرف مڑ جائیں گے اور پورا چکر کاٹ کر اس جگہ آجائیں گے جہاں فیز نمبر ۴ کا علاقہ لگتا ہے۔ اس کا اگلا حصہ فیز نمبر ۲ کا علاقہ ہے اور یہیں سے ہم بآسانی اس کے مکان تک پہنچ سکتے ہیں....

"گڈ یہاں تک تو ہم آگئے" میں نے کہا اس وقت ہم دونوں یعنی ابلال اور میں حبیب کے مکان میں بیٹھے تھے باقی دونوں باہر موجود تھے ہم زیادہ لوگوں کو بتا کر خطرہ نہیں مول لینا چاہتے تھے۔

یہ ہے شامیر کا گھر گھر کے اگلے حصہ میں پہرہ ہے۔ اس کے علاوہ چاروں طرف خاردار تاروں میں ہزاروں وولٹ کی بجلی دوڑ رہی ہے۔ اس کو ختم کرنا ابلال کے ذمہ ہے یہ سائنسی اصول کے ذریعے کچھ کر دکھائے گا اس کی دوا ایجادوں سے میں اچھی طرح واقف ہوں وہ بھی ہمارے کام آئیں گی۔ ہم پچھلے حصے سے داخل ہوں گے..... نیچے کی منزل پر فوج کے خاصے آدمیوں کا قیام ہے.....

پہلی منزل پر ملاقاتی ملاقات کرتے ہیں اور تیسری منزل کا دوسرا کمرہ اس کا ہے اب ہمیں کوئی تدبیر سوچنی ہوگی جس کے ذریعے ہم اوپر پہنچنے میں کامیاب ہو جائیں اور وہاں ایک خاص بات شامیر کو دو دورے پڑ چکے ہیں جو ہمارے لئے سود مند ہیں۔

اچانک فون کی گھنٹی بجی حبیب نے فون اٹھایا اور پھر کچھ لمحوں بعد اس کے ہاتھ سے رسیور گر گیا۔ کیا ہوا۔ میں نے جلدی سے پوچھا۔ حبیب کا لمحہ بھر میں سانس چڑھ گیا تھا۔ پھر قریب تھا کہ وہ نیند کی حالت میں بڑبڑایا۔ ".. کے جی بی کے نمائندے شاید میری غداری کے متعلق جان چکے ہیں اور مکان چاروں طرف سے گھر چکا ہے پھر کیا ہوا۔ آزادی کے جیالوں کی داستان کا اگلہ حصہ آئندہ ماہ پڑھیئے .... ■

معذرت

"آنکھ مچولی" کے سالنامے میں محترمہ ملکہ افروز روہیلہ کی مرتبہ قرآنی معلومات شائع کی گئی تھیں۔ ان میں ایک غلطی کی طرف "آنکھ مچولی" کے ایک قاری ذیشان علی قریشی (کوٹری) نے توجہ دلائی ہے کہ قرآن میں لفظ "احمد" سورۃ ص میں نہیں بلکہ سورۃ الصف میں آیا ہے۔ ادارہ اس غلطی کے لیے معذرت خواہ ہے۔

فلورنس نائٹ انگیل — سیّد خورشید عالم

لیمپ والی عورت

جدید نرسنگ کی بانی فلورنس نائٹ انگیل ۱۸۲۰ء میں اٹلی میں شہر فلورنس میں پیدا ہوئی۔ مقامِ پیدائش کی مُناسبت سے ماں باپ نے اس کا نام فلورنس رکھا۔ وہ بچپن سے ہی بڑی نرم دل تھی اور دوسروں کی تکلیف پر اس کا دل بھر آتا تھا۔ ایک بار اس نے اپنے باپ سے کہا تھا" ابّاجان جب میں بڑی ہو جاؤں گی تو نرس بننا پسند کروں گی"۔ اس زمانے میں نرسنگ کے پیشے کو اچھا نہیں سمجھا جاتا تھا۔ اس پیشے میں شامل لوگوں کی تربیت یا تو بالکل نہیں ہوتی تھی یا تھوڑی

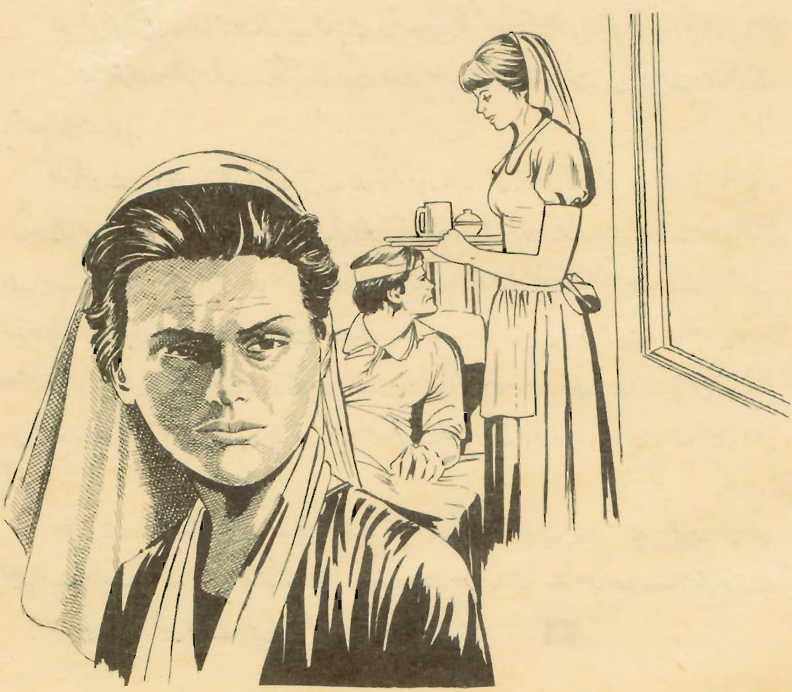

بہت ہوا کرتی تھی۔ اِن کی تنخواہ بھی کم ہوتی تھی۔

فلورنس کے والدین نے ہر ممکن دلیل و بحث کے ذریعے اسے نرسنگ کے پیشے سے باز رکھنے کی کوشش کی مگر ان کی ہر کوشش بے فائدہ اور لاحاصل ثابت ہوئی۔ آخرکار اس کے والدین راضی ہوگئے۔ کیسرورتھ، رائن میں واقع فلائڈرر پائنیر انسٹیٹیوٹ (Fliedner's Pioneer Institute) میں اس نے اپنا نام ایک اپرنٹس کی حیثیت سے درج کرایا۔ یہاں اس نے بڑی سخت زندگی گزاری۔

۱۸۵۳ء میں اسے لندن میں واقع عورتوں کے نرسنگ ہوم میں سُپر نٹینڈینٹ مقرر کیا گیا۔ یہاں اس نے بڑی کامیابی سے نرسنگ ہوم کو چلایا جس کی وجہ سے ملک کے طول و عرض میں اس کی شہرت پھیل گئی۔

۱۸۵۴-۵۶ء کے دوران جنگِ کریمیا ترکوں اور رُوسیوں کے درمیان لڑی گئی۔ کریمیا ایک انتہائی ٹھنڈا خطہ تھا۔ سخت سردی کی وجہ سے اور ٹھیک طور پر علاج نہ ہونے کی وجہ سے سپاہی مَر رہے تھے۔ اِس جنگ میں انگریزوں نے ترکوں کی مدد کی تھی۔ میدانِ جنگ میں اسپتال مریضوں سے بھرے پڑے تھے مگر ڈاکٹروں اور نرسوں کی کمی تھی۔ ترکی کے ملٹری اسپتال کے لئے رضاکاروں کے لئے اخبارات میں اپیلیں شائع ہوئیں۔

فلورنس کو اڑتیس (۳۸) نرسوں کی ایک جماعت کی سربراہ بناکر کریمیا کے مقام پر بھیج دیا گیا۔ اسپتال میں مریضوں اور سینیٹری کی ابتر صورتحال دیکھ کر اسے بہت صدمہ ہوا۔ اس نے سخت محنت کی اور صحت و صفائی کے انتظام کو بہتر بنایا۔

فلورنس نے اس فوجی اسپتال کو بڑی ترتیب سے قائم کیا۔ یہاں اس نے دن رات کام کیا۔ اتنا زیادہ کام کیا کہ اس کی اپنی صحت پر بُرا اثر پڑا۔ زخمیوں اور بیماروں کی دلجوئی کے لئے وہ ہر جگہ موجود ہوتی۔ رات کے وقت اپنے ہاتھ میں ایک لیمپ لے کر وہ ہر بستر پر مریض کی خبرگیری کرتی۔ اس کے نرم الفاظ اور خوبصورت مسکراہٹ ان کے درد شدّت کو کم کر دیتی۔ سپاہی اپنی اس محسنہ سے بڑی محبّت کرتے تھے ـــــ اور اسے 'لیمپ والی عورت' (Lady with the Lamp) کہا کرتے تھے۔ جنگ کے خاتمے پر وہ انگلستان واپس آگئی۔ حکومت کی طرف سے اُسے پچاس ہزار پاؤنڈ اس کی خدمات کے اعتراف کے طور پر دیئے گئے۔ اس خطیر رقم سے فلورنس نے ٹرینی نرسوں کے لئے 'نائٹ انگیل ہوم' قائم کیا۔

۱۹۰۷ء میں اسے انگلستان کا سب سے بڑا اعزاز دیا گیا، جسے 'آرڈر آف میرٹ' کہا جاتا ہے۔ اگلے ہی برس اس عظیم عورت کو ایک دوسرا اعزاز عطا کیا گیا جسے (Freedom Of The City Of London.) کہا جاتا ہے۔

فلورنس نائٹ انگیل کا نوّے برس کی عمر میں ۱۹۱۰ء میں انتقال ہوا۔

پُرلطف، پُرذائقہ، ٹھنڈے ٹھنڈے مزیدار
ہوئیسٹ®
ڈراپس
گلے کی خراش میں
انتہائی مفید
HOEST DROPS®
delicious
cool
refreshing
450 GRAMS
TIPU ENTERPRISES FAISALABAD

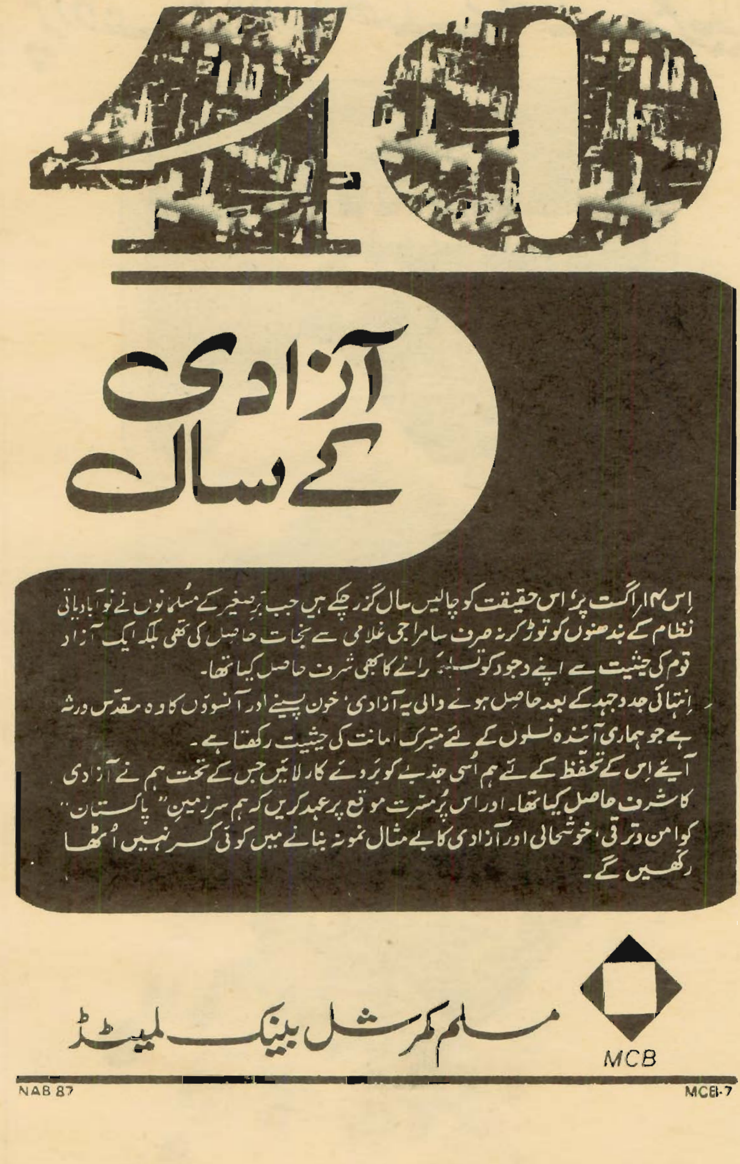
40
آزادی کے سال
اِس ۱۴ اگست پر، اس حقیقت کو چالیس سال گزر چکے ہیں جب برِصغیر کے مسلمانوں نے نوآبادیاتی نظام کے بندھنوں کو توڑ کر نہ صرف سامراجی غلامی سے نجات حاصل کی تھی بلکہ ایک آزاد قوم کی حیثیت سے اپنے وجود کو تسلیم کرانے کا بھی شرف حاصل کیا تھا۔
انتہائی جدوجہد کے بعد حاصل ہونے والی یہ آزادی، خون پسینے اور آنسوؤں کا وہ مقدس ورثہ ہے جو ہماری آئندہ نسلوں کے لئے متبرک امانت کی حیثیت رکھتا ہے۔
آیئے اِس کے تحفّظ کے لئے ہم اُسی جذبے کو بروئے کار لائیں جس کے تحت ہم نے آزادی کا شرف حاصل کیا تھا۔ اور اس پُرمسرت موقع پر عہد کریں کہ ہم سرزمینِ "پاکستان" کو امن و ترقی، خوشحالی اور آزادی کا بے مثال نمونہ بنانے میں کوئی کسر نہیں اُٹھا رکھیں گے۔
مسلم کمرشل بینک لمیٹڈ
MCB
NAB 87
MCB-7

آخری قسط

عظیم سرور

رومی بھیس بدلتا ہے

انجام

رومی بچوں کی ایک فلم دیکھنے کے لئے گھر سے نکلا۔ ایک شخص نے ایک کار سے اتر کر تیزی سے ایک رومال اس کی ناک پر رکھا۔ رومی کا سر چکرانے لگا۔ اسے ہوش آیا تو وہ ایک کمرے میں قید تھا۔ تھوڑی دیر میں اسے کمرے سے نکال کر ایک بڑے سجے سجائے کمرے میں لے جایا گیا۔ ایک تخت پر ایک موٹا سا شخص بیٹھا تھا۔ سب اس شخص کو گرو کہہ رہے تھے۔ رومی کو کسی سیٹھ رفیق کے بیٹے کے دھوکے میں پکڑ کر لایا گیا تھا۔ رومی نے بتایا کہ وہ سیٹھ رفیق کا بیٹا نہیں ہے۔ سیٹھ رفیق کے بیٹے کی تصویر منگوائی گئی تو پتہ چلا کہ موٹے گرو کے آدمیوں نے غلطی کی تھی۔ موٹے گرو نے سیٹھ رفیق کے بیٹے کو پکڑنے کے لئے کہا اور رومی کے بارے میں کہا کہ اسے بھی ختم کر دو کیونکہ اس نے ہم لوگوں کو دیکھ لیا ہے۔ رومی کو کمرے میں بند کرتے وقت وہ شخص کلوروفارم کی شیشی کمرے میں چھوڑ گیا۔ اس شیشی کو لے کر رومی آئندہ لمحوں کا انتظار کرنے لگا۔ ایک شخص کھانا لے کر آیا تو رومی نے اسے بیہوش کیا اور پھر وہاں سے نکل کر موٹے گرو کے کمرے سے چابیاں نکال کر بنگلے سے باہر پہنچ گیا۔ باہر نکل کر اس نے رکشہ روکا۔ اسے اپنے گھر کا پتہ بتایا۔ رکشہ تیزی سے اس کے گھر کی طرف دوڑنے لگا۔ لیکن اس سے زیادہ تیزی سے رومی کا دماغ دوڑ رہا تھا۔

رومی گھر پہنچا تو اس کی امی نے خوشی سے گلے لپٹا لیا۔ محلّے کی عورتیں بھی جمع ہو گئیں۔ ابو رومی کی تلاش میں باہر گئے ہوئے تھے وہ رات دیر سے واپس لوٹے رومی کو دیکھ کر بہت خوش ہوئے۔ رومی نے پورا قصہ بیان کیا پھر ان لوگوں نے اسی وقت سیٹھ رفیق کا نمبر ڈائرکٹری میں تلاش کر کے انہیں تفصیلات بتا کر کہا کہ اپنے بیٹے کی حفاظت کریں۔ آپ کا کوئی دشمن آپ کے لڑکے کو اغوا کرنا چاہتا ہے۔ سیٹھ رفیق اپنی کار میں رومی کے گھر آئے۔ رومی کے سر پر پیار سے ہاتھ پھیرا اور رومی اور اس کے ابو کے ساتھ پولیس اسٹیشن اس واقعہ کی رپورٹ لکھانے چلے گئے۔ کیس کی اہمیت کے پیش نظر انسپکٹر صاحب کو بلایا گیا۔ رومی نے پورا واقعہ بیان کیا۔ سیٹھ رفیق کو بھی اس درمیان اپنے دشمن کا اندازہ ہو گیا۔ تین چار ماہ قبل ایک موٹا آدمی دو تین آدمیوں کے ساتھ ان سے اپنی اسمگلنگ کی گھڑیاں بیچنے آیا تھا۔ جسے آدھی قیمت پر بھی سیٹھ رفیق

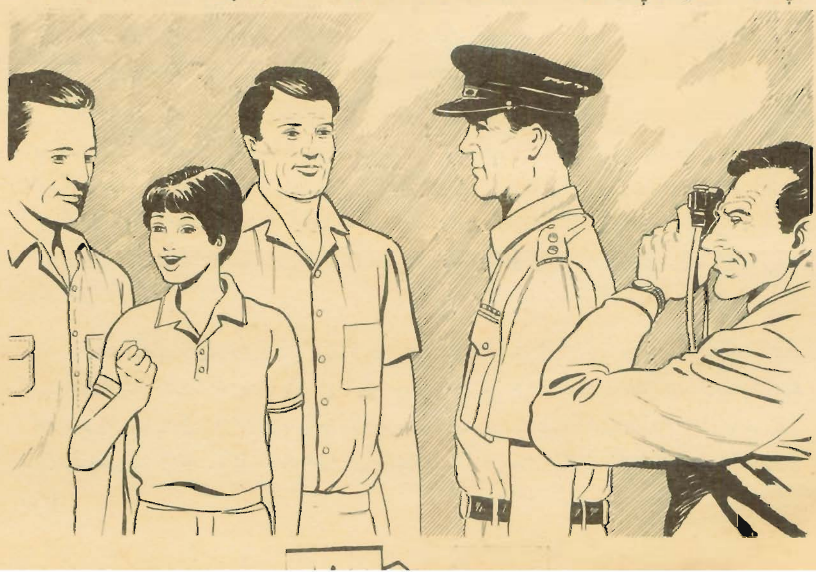

نے لینے سے انکار کردیا تھا۔ اس نے دھمکی دی تھی کہ وہ اس گستاخی کا بدلہ لے گا۔ اسسٹنٹ انسپکٹر نے بھی فائل دیکھ کر یہی بتایا کہ وہ بہت بڑا اسمگلر ہے اور یہ محکمہ تو اس کی تلاش میں ہے۔ انسپکٹر صاحب اسی وقت ان سب کو ایک جیپ میں بٹھا کر اس بنگلے کی طرف روانہ ہو گئے۔ ایک ٹرک پر پولیس ساتھ تھی۔ پولیس نے بنگلے کو گھیر لیا۔ انسپکٹر صاحب جب بنگلے کے اندر داخل ہوئے تو معلوم ہوا کہ بنگلہ خالی ہے۔ اسمگلر بھاگ نکلنے میں کامیاب ہو گیا۔ ان لوگوں نے بنگلے کے مالک چوہدری برکت علی کا پتہ چلا کر اس سے اس کے کرایہ دار کے بارے میں معلوم کیا تو معلوم ہوا کہ وہ نئے کرایہ دار ہیں اور ان کے بارے میں اُسے کچھ پتہ نہیں۔ انسپکٹر صاحب نے بتایا کہ وہ اسمگلر تھے اور اب بھاگ چکے ہیں تو چوہدری صاحب کی آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ گئیں۔ پولیس نے کافی بھاگ دوڑ کی مگر موٹے گرد کا کچھ پتہ نہ چلا۔ سیٹھ رفیق نے خوف سے اپنے بیٹے فرید کو گھر میں بند کر رکھا تھا۔ رومی بھی کافی احتیاط برتتا تھا۔ ایک دن رومی بازار میں جا رہا تھا کہ اسے موٹے گرد کا ایک آدمی نظر آ گیا۔ رومی نے اس کا تعاقب شروع کر دیا۔ وہ شخص ہوٹل کے ایک کیبن میں جا کر بیٹھا تھا۔ رومی پہلے تو باہر کھڑا دیکھتا رہا پھر وہ ساتھ رومی کیبن میں جا کر بیٹھا دوسری طرف کی آواز سننے کے لئے بے چین تھا تھوڑی دیر میں ایک دوسرا آدمی اس شخص سے ملنے آیا، وہ کہہ رہا تھا کہ تمہارے لئے یہ حکم ہے کہ تم اکبر کو اطلاع دو کہ وہ کل صبح گیارہ بجے گاندھی گارڈن میں ایک آدمی سے ملے اور وہ جو حکم دے اس پر عمل کرے اس آدمی کی پہچان یہ ہوگی کہ وہ کالا رومال بائیں جانب کی پتلون کی جیب سے بار بار نکال کر اپنے چہرے پر پھیرے گا۔ اس نے یہ بھی کہا کہ گرد کا یہ حکم اُسے ایک آدمی کے توسط سے ملا ہے۔ اور یہ کہ گرد خود کسی کے سامنے نہیں آتا۔ پہلا آدمی گرد کے ٹھاٹ باٹ پر بڑا رشک کر رہا تھا۔ دوسرے شخص نے اسے خرچ کے لئے روپے بھی نکال کر دیئے۔ اسی دوران رومی جلدی سے نکل کر باہر گیا تاکہ وہ اس کا چہرہ دیکھ سکے۔ پہلے تو وہی آدمی نکلا جس کا وہ تعاقب کرتا ہوا آیا تھا۔ دوسرا لمبا تڑنگا شخص تھا۔ جس نے رومی کو ختم کرنے کا مشورہ دیا تھا۔ دونوں باہر نکل کر ایک دوسرے سے ہاتھ ملا کر علیحدہ ہو گئے۔ رومی نے سوچا کہ تعاقب کرنا فضول ہے۔ پولیس کو اطلاع دے دینی چاہیئے۔

پولیس انسپکٹر نے کہا مشکل تو یہ ہے کہ اس گروہ کے کسی آدمی کو پوری بات معلوم نہیں ہم اگر ان کے کسی آدمی کو گرفتار بھی کر لیں تو وہ ہمیں کوئی بات نہیں بتا سکتا۔ انسپکٹر نے کہا کہ مجھے مجرموں کے گرد کو پکڑنے کے لئے رومی کی مدد کی ضرورت ہے۔ رومی نے انسپکٹر سے کہا کہ وہ اس کام کے لئے بالکل تیار ہے۔ دوسرے دن صبح انسپکٹر نے رومی کو اس کا کام سمجھایا۔ رومی ایک پالش والے کے بھیس میں گاندھی گارڈن میں داخل ہوا۔ رومی پالش کروانے والوں کو کسی نہ کسی طرح ٹالتا رہا۔ اُس کو کالے رومال والا شخص نظر نہیں آیا تھا کہ اچانک اُس نے دیکھا کہ فوارے کے پاس ایک آدمی نے اپنی پتلون کی بائیں جیب سے کالا رومال نکالا اور چہرے پر پھیر کر پسینہ پوچھنے لگا۔ رومی کے دل کی کلی کھل گئی

وہ بڑی ہوشیاری سے اس آدمی کی حرکتیں دیکھنے لگا۔ تھوڑی دیر بعد ایک ٹھگنا سا آدمی اس کی طرف بڑھا۔ رومی کو پتہ چل گیا کہ چھوٹے قد والا یہ آدمی اکبر ہے۔ رومی نے اپنی صندوقچی اٹھائی اور برش کو لہراتا ہوا بوٹ پالش کی آواز لگانے لگا اور ان دونوں آدمیوں کے پاس پہنچ کر پالش کرنے کے لئے کہنے لگا۔ آخر کار چھوٹے قد والا آدمی پالش کروانے پر تیار ہو گیا۔ رومی دونوں آدمیوں کی طرف پیٹھ کر کے بیٹھ گیا کہ ان کی آواز صاف سنائی دینے لگی۔

مونچھوں والے آدمی نے چھوٹے قد والے کو بتایا کہ کل تم کو ریل کا سفر کرنا ہے تم حیدرآباد کا ٹکٹ خرید کر کراچی ایکسپریس میں سوار ہو جاؤ گے راستے میں جس اسٹیشن پر بھی تم کو نیلی پگڑی والا آدمی کالے رومال سے چہرہ صاف کرتا ملے گا۔ تم وہیں اُتر جانا۔ پھر اُس نے اشارہ بتایا۔ اس آدمی کے پاس ایک صندوق ہوگا تم گاڑی سے اتر کر اس آدمی کے ساتھ ہی پلیٹ فارم پر بیٹھ جانا پھر واپس کراچی آنے والی گاڑی میں اس کے ساتھ سوار ہو جانا اگلے اسٹیشن پر وہ اُتر جائے گا۔ اس کے بعد تم کو صندوق کراچی لانا ہوگا۔ پھر چھوٹے قد والے آدمی نے اُس سے پیسے مانگے اتنے میں رومی نے بھی اپنا کام ختم کر لیا تھا۔ چھوٹے قد والے آدمی نے رومی سے دوبارہ جوتا پہنانے کو کہا رومی نے انکار کر دیا اُس نے رومی کو پیسے دینے سے انکار کر دیا۔ رومی نے کہا کہ ہم پیسے کا لالچی نہیں ہے اور یہ کہہ کر پالش کی ڈبیہ اور برش سنبھال کر آگے بڑھ گیا

رومی جب گھر میں داخل ہوا تو اس کی امی نے اُس کو بالکل ہی نہیں پہچانا۔ رومی نہا دھو کر دوبارہ پولیس اسٹیشن پہنچا انسپکٹر صاحب رومی کا انتظار کر رہے تھے۔ انہوں نے رومی کی تعریف کی رومی نے سارا قصہ انسپکٹر صاحب کو سنایا۔ انسپکٹر صاحب نے رومی کو گھر بھیجا اور شام کو اس سے ملنے آئے انہوں نے بتایا کہ وہ چھوٹے قد والے اکبر کے گھر کا پتہ چلانے میں کامیاب ہو گئے ہیں لیکن کوئی خاص کامیابی نہیں ہوئی۔ انسپکٹر صاحب نے رومی کے ابا سے کہا کہ آپ رومی کو ایک بہت بڑی مہم پر جانے کی اجازت دیجئے۔ رومی کے ابا نے اجازت دیدی۔ انسپکٹر صاحب نے بتایا کہ رومی کراچی ایکسپریس میں سفر کرے گا جس اسٹیشن پر اکبر اترے اس پر یہ بھی اتر جائے گا۔ انسپکٹر صاحب نے رومی کو دوسرے دن صبح بلایا۔

رومی دوسرے دن انسپکٹر صاحب کے ساتھ پلیٹ فارم پر چلا جا رہا تھا اس نے خاکی رنگ کی میلی سی نیکر اور سفید قمیض پہن رکھی تھی اس کا حلیہ ٹھنڈی بوتلیں بیچنے والوں جیسا تھا انسپکٹر صاحب نے رومی کو ٹھیکیدار کے حوالے کیا۔ رومی کی دوسرے سوڈا لیمن بیچنے والے لڑکوں سے ایک جھڑپ بھی ہوئی گاڑی چلنے والی تھی رومی آخری ڈبے میں گھس گیا۔ اور سوڈا لیمن بارف کی آواز لگائی رومی کے ساتھ سادہ لباس میں پولیس والے بھی تھے۔

آخری ڈبے میں چھوٹے قد والا اکبر نہیں تھا اسی طرح تلاش کرتے کرتے رومی کو ایک ڈبے میں اکبر مل گیا وہ اسی ڈبے میں بیٹھ گیا۔ رومی نے باہر جھانک کر دیکھا جنگ شاہی کے اسٹیشن پر ایک دیہاتی نیلی پگڑی پہنے ہوئے ایک درخت کے نیچے کھڑا تھا پاس ہی ایک کالے رنگ کا پرانا سا صندوق تھا اس دیہاتی نے جیب سے کالا رومال نکالا اور چہرے پر پھیرنے لگا رومی جلدی سے نیچے اتر گیا اور اکبر سے پہلے دیہاتی کے پاس ایک بنچ پر جا کر بیٹھ گیا۔ اکبر دیہاتی کے قریب سے گذرا اور اس نے اپنے آپ سے بات کرنے کے انداز میں کہا گڑ دا پڑا۔ دیہاتی نے کالا رومال اپنی جیب میں ڈالتے ہوئے کہا "مالم پُرا"۔

اکبر اور دیہاتی آپس میں باتیں کرنے لگے۔ رومی پہلے سے سیٹ پر بیٹھا ہوا تھا۔ پھر اپنا منہ ٹیڑھا کر کے گانا گانے لگا اکبر نے اُس کو بھگانا چاہا لیکن رومی نے ملتجی کر درخواست کی دیہاتی کو رحم آگیا۔ اُس نے اس کو وہیں بیٹھنے کی اجازت دے دی۔ پھر اکبر نے رومی سے بوتل مانگی۔ رومی نے دو بوتلیں نکال کر دیں اور ان کی باتیں غور سے سننے لگا۔ وہ گڑ کے صندوق کے بارے میں بات کر رہے تھے۔ اکبر نے دیہاتی کو پیسے دیئے اور دیہاتی نے اکبر کو اپنا کراچی تک کا ٹکٹ دیا
پھر کراچی جانے والی گاڑی میں دیہاتی اور اکبر بیٹھ گئے۔ رومی کو دوسرے ڈبے میں جگہ ملی پھر وہ پانی والے ڈبے میں بیٹھ گیا۔ لڑکوں نے اُس کا مذاق اڑایا۔ اور کہتے رہے کہ آنے دے بیٹا کراچی آنے دے اور رومی بھی دل ہی دل میں کہہ رہا تھا کراچی میں کیا ہوتا ہے۔ دیکھ لیں گے۔

گاڑی کراچی ریلوے اسٹیشن کی حدود میں داخل ہو گئی تھی رومی کی نگاہیں انسپکٹر صاحب کو تلاش کر رہی تھیں وہ بوتلوں کا کریٹ چھوڑ کر بھاگا۔ انسپکٹر صاحب کی طرف پہنچا تو انہوں نے کوئی توجہ نہیں دی رومی بات سمجھ گیا اور وہ ان کے ساتھ کھڑے ہو کر دوسری طرف منہ کر کے سارا قصہ سنانے لگا۔ رومی نے اکبر کو دیکھا کہ وہ صندوق پلیٹ فارم پر رکھ کر ادھر اُدھر دیکھ رہا ہے انسپکٹر صاحب سے رومی نے کہا یہی آدمی ہے اسے گرفتار کر لیجئے انسپکٹر صاحب نے کہا کہ اصل مجرم تو ان کا گروہ ہے۔ تم اکبر کے ساتھ رہو جب اس کو نیلی کار والا آدمی لینے آئے تو تم اس کے ساتھ رہو۔ رومی نے دیکھا کہ اکبر مسکراتا ہوا قلی کے سر پر صندوق رکھوا رہا ہے اور اسٹیشن سے باہر نکل رہا ہے۔ رومی کی مسکراہٹ رہ گئی اس نے دل میں سوچا موٹے گروہ کے ساتھ جب جیل کی ہوا کھانے گا پھر اس سے کہوں گا۔ ذرا اب ہنس کے دکھا
ریلوے اسٹیشن کے باہر بہت ساری کاریں ٹیکسیاں اور رکشے ایک قطار میں کھڑے تھے رومی کو نیلے رنگ کی کار کی تلاش تھی۔ لیکن باہر ایک کے بجائے تین نیلی کاریں تھیں۔ اکبر بھی دیکھ کر پریشان تھا دو کاروں کے جانے کے بعد اکبر ایک نیلی کار کے پاس پہنچ گیا اور رومی بھی منت سماجت کر کے اکبر کے ساتھ ہی بیٹھ گیا رومی نے اکبر کا سارا پلان غور سے سنا اور بظاہر لاپرواہی سے گانا گاتا رہا کار نے اس کو ایمپریس مارکیٹ کے پاس اتار دیا پھر تھوڑی دیر میں انسپکٹر صاحب اپنی کار سے کر آ گئے رومی نے کہا کہ وہ گھر سے کھانا کھانے کے بعد پولیس اسٹیشن آ کر سارے واقعات بتائے گا۔
واقعات بتائے گا۔ رومی گھر پہنچا تو اس کے امی ابو پریشان بیٹھے تھے۔ اس کے امی ابو نے اس پر زور ڈالا کہ وہ اپنا وہ شوق ترک کر دے۔ رومی نے پوچھا کہ اس پریشانی کی وجہ کیا ہے۔۔ انھوں نے بتایا کہ سیٹھ رفیق کا بیٹا اغوا ہو چکا ہے۔ یہ سُن کر رومی حیران پریشان رہ گیا۔ جس لڑکے کو بچانے کے لیے اس نے اتنے جتن کیے تھے، وہ آخر کار اغوا ہو ہی گیا۔ رومی کے پیروں تلے سے زمین نکل گئی۔ رومی نے اب تک جو معلومات حاصل کی تھیں، وہ معلومات انسپکٹر صاحب کو بتانے کے لیے وہ اپنے ابو کے ساتھ پولیس اسٹیشن گیا مگر وہاں کسی نے ان پر توجہ نہیں دی۔ بہر حال انسپکٹر صاحب نہیں ملے۔ اگلے دن وہ پھر گئے۔ مگر انسپکٹر صاحب ابھی تک واپس نہیں آئے تھے۔ آخر رومی نے خود کچھ کرنے کا فیصلہ کیا اور دیگر پولیس افسروں سے رابطے کی کوشش کی اور امی سے بہانہ کر کے اپنے دوست توقیر کے پاس پہنچ گیا۔ تھوڑی سی رد و قدح کے بعد توقیر اس کا ساتھ دینے پر راضی ہو گیا۔ دونوں ایک رکشہ میں بیٹھے۔ پہلے وہ پولیس اسٹیشن گئے جہاں انسپکٹر صاحب حسبِ معمول تھانے میں نہیں ملے۔ انھوں نے انسپکٹر صاحب کے نام پیغام چھوڑا کہ وہ اسمگلروں کے تعاقب میں فریئر گارڈن جا رہے ہیں۔ پھر وہ فریئر گارڈن پہنچ گئے۔ باغ میں داخل ہو کر وہ دائیں اور بائیں جانب دیکھے بغیر اِدھر اُدھر کے ماحول سے بے نیاز آگے بڑھ رہے تھے کہ یکایک عقب سے رومی کے چہرے پر زور دار تھپڑ پڑا اور رومی چکرا کر رہ گیا۔

تھپڑ مارنے والے مکروہ شکل آدمی نے شور مچانا شروع کر دیا۔۔ "شرم نہیں آتی۔۔۔ میری جیب کاٹتا ہے۔۔۔ جیب کترا ہے یہ۔۔۔ نہیں چھوڑوں گا اِسے۔۔۔ اِسے تھانے لے کر جاؤں گا۔۔"

وہ شخص رومی کو لاتوں اور گھونسوں سے مار بھی رہا تھا اور گالیاں بھی بک رہا تھا۔

اِس شور کی آواز سُن کر باغ میں موجود بہت سے لوگ اِن کے قریب آگئے اور حیرت سے یہ سب کچھ دیکھنے لگے۔

رومی متواتر بچاؤ۔ بچاؤ کہہ رہا تھا اور لوگوں کو یقین دِلا رہا تھا کہ وہ جیب کترا نہیں ہے لیکن اُس کی آواز مجمع

کے شور میں دب کر رہ گئی ...

لوگوں کی بہت بڑی تعداد وہاں جمع ہوگئی تھی اور مجمع کے اکثر لوگ بھی رُومی کو بُرا بھلا کہہ رہے تھے ---
ایک شخص نے رومی کو پکڑ کر اس کے ہاتھ باندھے اور دو خوفناک چہروں والے لوگ رومی کو گھسیٹتے ہوئے باغ سے باہر لے آئے جہاں ایک سفید کار پہلے سے موجود تھی۔

جو لوگ رومی کو کار کی طرف لے کر جا رہے تھے وہ مسلسل یہی کہہ رہے تھے "ہم اسے پولیس اسٹیشن لے کر جائیں گے ... ہم اسے پولیس کے حوالے کریں گے ... یہ خطرناک مُجرم ہے" لوگ منتشر ہوگئے، مگر چند لوگ اب بھی رومی کو پٹتا ہوا دیکھنے کے لیے باہر سڑک تک آ گئے تھے۔

گنجے پہلوان نُما شخص نے رُومی کو بڑی بے دردی سے کار میں دھکیل دیا اور کار تیز رفتاری سے چل دی۔
پٹائی سے لے کر کار میں بیٹھنے تک رُومی کی نظروں نے کئی بار توقیر کو تلاش کرنے کی کوشش کی مگر توقیر کا کچھ پتا نہ چلا۔

رومی سمجھ چکا تھا کہ اسے پکڑنے والے لوگ یقیناً اسمگلر یا اُن کے ساتھی ہیں اُس نے بار بار یہ بات باغ میں کھڑے ہوئے لوگوں کو بتانا بھی چاہی مگر کوئی اس کی مدد کو نہ آیا۔

سفید کار ابھی ایک فرلانگ بھی نہ چلی ہوگی کہ کار کے سیاہ شیشے چڑھ گئے جن سے باہر تو دیکھا جا سکتا تھا مگر باہر سے اندر کی کوئی چیز نظر نہیں آتی تھی...

رومی کے ساتھ بیٹھا ہوا شخص غصّے اور نفرت سے غرّایا "کمینے ہماری جاسوسی کرتا ہے ... ہمیں پکڑوانا چاہتا ہے۔ شاید تجھے پتہ نہیں --- ہمارے ہاتھ کتنے لمبے ہیں ..."

یہ کہتے ہی اُس شخص نے رومی کے چہرے پر ایک زوردار مُکا رسید کر دیا ... رومی کے مُنہ سے ہلکی سی چیخ نکلی اور اُس کی ناک سے خُون بہہ نکلا۔ کار انتہائی تیز رفتاری سے نامعلوم راستوں پر دوڑ رہی تھی۔ اور رومی شدید خوف کے عالم میں کبھی روتا، کبھی معافی مانگتا اور کبھی درخواست کرتا "مجھے چھوڑ دو۔ میں بے قصور ہوں"۔

عام زندگی میں کبھی نہ گھبرانے والا رومی آج بے حد پریشان تھا۔ چھوٹی سی عمر میں اُسے جس تکلیف دہ تجربے سے گزرنا پڑا تھا یہ واقعی اُس کے لیے ناقابلِ برداشت تھا ... ایسا تو اُس نے ناولوں میں نہیں پڑھا تھا۔
رُومی کو سب سے زیادہ خوف اس بات کا تھا کہ اب کیا ہوگا؟ طرح طرح کے خیالات اُس کے ذہن میں آتے اور اُس پر کپکپی طاری ہو جاتی ... کیا یہ لوگ مجھے قتل کر دیں گے؟
کیا مجھے سمندر میں پھینک دیا جائے گا؟ کیا میرے ابّو سے میری رہائی کے نام پر بڑی بڑی رقم حاصل کی جائے

گی؟ یہ اور ایسے بہت سے خیالات رومی کو پریشان کر رہے تھے اور اُسے یقین ہو چلا تھا کہ ہو نہ ہو یہ والدین کی حکم عدولی کی سزا ہے جو اُسے اللہ کی طرف سے ملی ہے... کاش وہ اپنے ابّو کی بات مان لیتا... کاش وہ اپنے گھر سے نہ نکلتا... یہ اور ایسے بہت سے خیالات بہت تیزی سے اُس کے ذہن میں آرہے تھے اور وہ دل ہی دل میں اپنے اللہ سے معافی بھی مانگ رہا تھا۔ اور اپنی رہائی کے لئے مدد بھی طلب کر رہا تھا...

کار کو دوڑتے ہوئے بیس منٹ سے زیادہ گزر چکے تھے۔ اور اب رومی بھی اپنے حواس پر قابو پا چکا تھا... ایک انجانے خوف کے باوجود رومی کے اندر کسی قدر حوصلہ پیدا ہو چکا تھا۔ اور اُس نے یہ سوچنا شروع کر دیا تھا کہ یہ لوگ کیا کر سکتے ہیں اور مجھے کیا کرنا چاہیئے۔؟

رومی کو اغوا کرنے والے لوگ جن کی تعداد ڈرائیور سمیت چار تھی اب رومی کو بھول کر اپنی گپ شپ میں مصروف ہو چکے تھے... البتہ انھوں نے رُومی کی آنکھوں پر ایک کپڑا باندھ دیا تھا... اب رومی کے کان ہی رومی کی آنکھیں بھی تھے۔ اور وہ اِن کی باتیں سُن کر بہت کچھ سمجھنے کی کوشش کر رہا تھا۔

اب تک کی باتوں سے رومی یہ اندازہ لگا چکا تھا کہ کراچی کی حدود ختم ہو گئی ہے یا ہونے والی ہے اور جس جگہ پر انھیں جانا ہے، وہ کوئی گوٹھ ہے۔

کار کی رفتار آہستہ ہوئی... پھر ایسا لگا جیسے کار پختہ سڑک سے اُتر کر کچّے راستے پر آگئی ہو۔ دو تین منٹ تک ٹیڑھے میڑھے اور کچّے راستے پر چلنے کے بعد کار رُک گئی... ڈرائیور نے تین چھوٹے چھوٹے سے ہارن دیے اور پھر رومی کو ایسا محسوس ہوا جیسے ایک بڑا سا آہنی دروازہ کُھلا اور کار اندر داخل ہو گئی... اندر پہنچتے ہی رومی کی آنکھوں سے بندھی پٹّی کھول دی گئی۔ رومی نے خود کو ایک بڑے احاطے میں پایا۔ جس کا ماحول بڑا ہی پُراسرار تھا۔

اِس سے پہلے کہ رومی کو کار سے باہر آنے کے لیے کہا جاتا... سب لوگ چونک گئے... خود رومی کو بھی ایسا محسوس ہوا جیسے بہت سی گاڑیاں احاطے کے باہر آکر رُکی ہوں...

اچانک مائیک پر ایک اعلان ہوا...

"تمھاری بستی ہمارے گھیرے میں ہے... باہر آجاؤ اور خود کو پولیس کے حوالے کر دو... مزاحمت کرنے والا ہم سے نہیں بچ سکے گا..."

"یہ آواز تو انسپکٹر صاحب کی ہے"... رومی کا چہرہ خوشی سے کِھل اُٹھا۔

چند ہوائی فائر ہوئے اور پولیس احاطے میں داخل ہو گئی، رومی کو اغوا کرنے والے چاروں افراد پولیس کی حراست میں تھے۔ رومی انسپکٹر صاحب سے لپٹ گیا... انسپکٹر نے رومی کو پیار کیا اور اِس کا حوصلہ بڑھاتے ہوئے اُسے

ایک طرف ہٹ جانے کے لیے کہا۔

پولیس کی بھاری نفری اُس بستی کو گھیرے میں لے چکی تھی اور کارروائی شروع ہو گئی تھی... پولیس کے بہت سے لوگ وائرلیس پر اپنے ہیڈکوارٹر بات کر رہے تھے اور تازہ ترین صورتِ حال سے اعلیٰ حکام کو مطلع کر رہے تھے۔

دیکھتے ہی دیکھتے پولیس کے کئی ٹرک وہاں پہنچ گئے... یہ کارروائی دو روز تک جاری رہی... بھاری تعداد میں اسلحہ منشیات، اسمگلنگ کا سامان اور چوری کی گاڑیاں برآمد ہوئیں... کئی گھروں سے بڑے بڑے تہہ خانے اور تہہ خانوں سے قیمتی سامان برآمد ہوا... سیٹھ رفیق کا لڑکا بھی مل گیا اور گُرو بھی گرفتار ہو گیا... رومی نے موٹے گُرو کو پہچاننے میں ذرا بھی دیر نہ کی، کئی پرانے مجرم بھی اس بستی سے پکڑے گئے۔

اگلے روز آئی جی پولیس ایک پُر ہجوم پریس کانفرنس میں اس آپریشن کی تفصیلات بتا رہے تھے۔ صحافیوں سے بھرے ہوئے اس کمرے میں دیگر لوگوں کے علاوہ رومی بھی اپنے ابّو کے ساتھ موجود تھا' تفصیلات بیان کرنے کے بعد آئی جی نے صحافیوں کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔

"میں نہ چاہتے ہوئے بھی یہ بات ضرور کہوں گا کہ اس آپریشن کی کامیابی کا سہرا ایک نڈر بچے کے سر ہے، جس کی ذہانت اور بہادری کی بدولت مجرموں کو گرفتار کرنا ممکن ہوا۔"

آئی جی نے کہا، "وہ بچہ اس قابل ہے کہ اُسے اسٹیج پر لایا جائے، بے تحاشہ انعام دیا جائے اور ملک بھر کے ذرائع ابلاغ اس کی تصاویر اور انٹرویوز شائع کریں"۔ آئی جی بچے کو خراجِ تحسین پیش کرتے ہوئے جذباتی ہو گئے اور رومی کے علاوہ اس کے والدین اور اس کے اساتذہ کو بھی مبارک باد پیش کی لیکن ساتھ ہی یہ بھی کہا "اس بچے کے تحفّظ کی خاطر اُس کا نام ظاہر نہیں کیا جائے گا۔"

آئی جی صاحب نے ایک صحافی کے سوال کے جواب میں بتایا، "دہشت گردی اور اسمگلنگ کے اس گروہ میں کوئی بھی شخص حتمی گُرو یا باس نہیں ہوتا بلکہ اس میں بہت سے لوگ ایک دوسرے کے گُرو ہوتے ہیں اور ان کی چین پوری دنیا میں پھیلی ہوتی ہے۔"

انھوں نے توقع ظاہر کی کہ مجرموں سے پوچھ گچھ کے بعد مزید انکشافات کی توقع ہے۔

یہ پریس کانفرنس چائے کے ایک ایک کپ کے ساتھ اختتام کو پہنچی۔ پریس کانفرنس میں موجود ایک ذہین فوٹو گرافر صحافی اُٹھا اور رومی کے قریب آکر کھڑا ہو گیا' اچانک اُس کے کیمرے کی فلش چمکی اور رومی کی تصویر محفوظ ہو گئی۔

ایک ادھیڑ عمر صحافی، فوٹو گرافر کے قریب آیا اور اُس کی ذہانت پر اُس کی پیٹھ تھپکتے ہوئے کہنے لگا...

"گڈ ججمنٹ مسٹر اعجاز گڈ ججمنٹ"

اب پُرسکون سمندروں میں رواں دواں
.... ہرچند کہ یہ مرحلہ آسان نہ تھا

اِظہارِ تشکّر

ہم حکومت، جہاز رانی کے حصص داروں، سمندری راستے سے درآمد و برآمد کرنے والوں، تاجر طبقے،
اور خاص طور سے عام لوگوں کے تہہ دل سے شکر گزار ہیں کہ ان کی حوصلہ افزائی، معاملہ فہمی اور حمایت
ہمیں حاصل رہی، اسی کی بنیاد پر یہ قومی پرچم بردار جہاز راں ادارہ
عالمی جہاز رانی کے کاروبار میں ایسی مسلسل مندی کا کامیابی کے ساتھ مقابلہ کرتا رہا جس کی تاریخ میں مثال نہیں ملتی
اس اہم موقع پر ہم اپنے اس عزم کو
دُہراتے ہیں کہ ہماری تمام تر خدمات قوم کی خدمت کے لئے وقف رہیں گی

PNSC

پاکستان نیشنل
شپنگ کارپوریشن
قومی پرچم بردار جہاز راں ادارہ

PID - Islamabad - A - 87

PARAGON

وجیہہ احمد صدیقی

دنیا کا سب سے چھوٹا آدمی

"اے خدا! تو کوئی ایسا معجزہ دکھا کہ میرا قد بڑھ جائے۔"

نیلسن ڈی لا روزا ہر رات یہ دُعا مانگتا ہے کیونکہ اِس کا قد صرف ساڑھے اٹھائیس (۲۸½) انچ ہے اور وہ دنیا کا مختصر ترین آدمی ہے۔ یہ دُعا وہ اِس لیے مانگتا ہے کہ صرف پستہ قد ہونے کی وجہ سے اُسے اسکول میں داخلہ نہیں مل سکا، حالانکہ وہ ڈاکٹر بننا چاہتا تھا۔ اسکول کی انتظامیہ کا کہنا ہے کہ چونکہ اِس کا قد دوسرے لڑکوں کو اپنی طرف متوجہ رکھتا ہے اِس لیے اِن کی پڑھائی کا حرج ہوتا ہے۔

باقاعدہ تعلیم نہ ہونے کی وجہ سے بیچارے نیلسن کو اب تک لکھنا نہیں آسکا۔ ہاں وہ اپنی کوششوں سے پڑھنا سیکھ گیا ہے۔ نیلسن کی آواز بالکل بچّوں جیسی ہے حالانکہ وہ اٹھارہ برس کا ہوچکا ہے اور اس کا وزن پندرہ پونڈ ہے۔ جنوبی امریکہ کی ریاست ڈومینیکن ری پبلک کے رہنے والے اس لڑکے کو اب تو اچھی بھلی شہرت مل گئی ہے۔ وہ سڑکوں پر اپنے انوکھے پن کا مظاہرہ کرتا ہے اور شام کو اپنی ماں اور چار بھائی بہنوں کے لیے پانچ سے بیس ڈالر تک روزانہ کما لیتا ہے۔ اُس کا کہنا ہے "مجھے امید ہے کہ میری شہرت میرے خاندان کے لیے اچھی زندگی کا موقع فراہم کردے گی اور ہم ایک اچھے علاقے میں رہنے کے قابل ہوسکیں گے۔

نیلسن کی دُعا اب تک قبول تو نہیں ہوئی ہے لیکن اس نے پست قامتی میں گینز بُک آف ورلڈ ریکارڈ کو توڑ دیا ہے۔ دیکھنے میں وہ دو سال کا بچّہ لگتا ہے۔ اُسے جُوتے بھی بچّوں والے ہی پہننے پڑتے ہیں۔ بلکہ اُسے اپنے استعمال کی چیزیں خریدنے کے لیے ہمیشہ بچّوں کی دکان پر ہی جانا پڑتا ہے۔ وہ اتنا چھوٹا ہے کہ نہ کار چلا سکتا ہے نہ سائیکل اور نہ ہی بیس بال اور باسکٹ بال کھیل سکتا ہے۔ پھر بھی وہ مکمّل طور پر صحت مند ہے۔

جب لوگ اُسے دیکھ کر خوش ہوتے ہیں یا تعجب کا اظہار کرتے ہیں، اُس وقت کوئی نہیں جانتا کہ نیلسن کے دِل پر کیا گزرتی ہے۔ آپ خود سوچیں کہ اگر آپ بھی گھر سے نکلیں اور راستہ چلنے والے آپ کو گھور گھور کر دیکھنا شروع کردیں، یا وہ ہنسنے لگیں یا تالیاں بجائیں تو آپ کیا محسوس کریں گے۔ نیلسن بھی اِن سب باتوں سے تھک گیا ہے اور وہ ایک آرام دہ زندگی گزارنا چاہتا ہے۔ فی الحال تو اُسے ایک امریکی ادارے نے چھوٹا موٹا سا ٹیلی وژن تحفے میں دیا ہے جس کے پروگرام دیکھ دیکھ کر وہ تنہائی میں خوش ہوتا رہتا ہے۔

کیا آپ خُدا سے نیلسن کا قد بڑھنے کی دُعا نہیں مانگیں گے تاکہ وہ پُرسکون طریقے سے رہ سکے۔

نیلسن روز سڑک پر تماشا بنتا ہے

اپنی ماں کے ساتھ

کوئِس ®

مصنوعات بنانے والے پیش کرتے ہیں

● **کوئِس مشروبات :**
مشروبِ کوئِس کے اضافے کے ساتھ اب
چھ مختلف مزیدار ذائقے ۔
مشروبِ کوئِس ، آئسکریم ، اناس ، سنترہ ،
وِمٹو اور لیمن ۔

● **کوئِس اچار :**
مینگو اور مِکس ۔ لذیذ ، چٹ پٹے ، مزیدار ۔

● **کوئِس فیرنی مِکس :**
زعفرانی اور سادہ ۔
ایک لیٹر ابلتے ہوئے دودھ میں ایک پیکٹ
فیرنی مِکس ملا کر پانچ منٹ سے دس منٹ
تک پکائیں ۔ فیرنی تیار ۔

● **کوئِس کسٹرڈ پاؤڈر :**
تین مزیدار ذائقے ۔ آپکے ذوق کے عین مطابق

انڈس فروٹ جوس کمپنی

پوسٹ بکس 8026 ، کراچی ۔ 29 ، پاکستان ۔ فون : 440361-438869

Habib Bank Limited

قائم شدہ ۱۹۴۱

ہم ان کے درخشاں مستقبل کے خواہاں ہیں!

حبیب بینک ایک ترقی پسند، متحرک، جدید بینک ملک کے اندر ۱۸۰۰ سے زیادہ اور بیرونِ ملک ۶۹ شاخوں، ۱۸۰۰ سے زیادہ غیر ملکی نمائندوں، کمپیوٹر تنصیبات، نت نئی اسکیموں اور سہولتوں کے ذریعے ملک کے مستقبل کے لئے حتی المقدور کوشاں ہے۔
ہماری بچت کی اسکیمیں اور طالب علموں کا خصوصی شعبہ بچوں اور طالب علموں میں بچت کی عادت ڈالنے کے لئے ہمہ وقت سرگرم عمل ہے۔
حبیب بینک ملک کی ترقی و خوشحالی کے لئے نئی نسل کی سرپرستی کرتا ہے۔

حبیب بینک لمیٹڈ

PID (I)/HBL/80/ 1 U

manhattan International

کارٹون اسٹوری کی انعام یافتہ کہانیاں

کارٹون اسٹوری لکھیئے

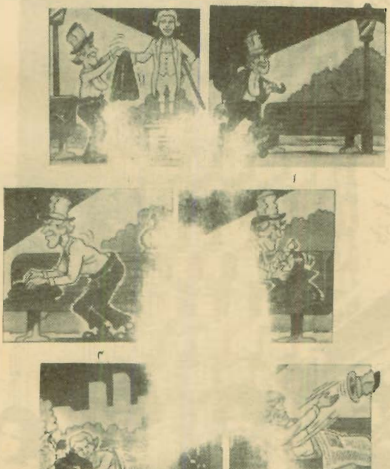

سالنامے میں ہم نے آپ کے لئے کارٹون اسٹوری کا مقابلہ منعقد کیا تھا۔ اس کے جواب میں ہمیں ملک بھر سے سینکڑوں دوستوں کی کہانیاں مو… …ان میں زیادہ تر کہانیاں ایک جیسے انداز میں لکھی گئی تھیں۔ کچھ ایسی بھی تھیں جو منفرد حیثیت کی حامل تھیں۔ ان ہی میں سے ہم نے آپ کے لئے تین کہانیاں چن کر شاملِ اشاعت کی ہیں۔

اِن کہانیوں پر راحت صلاح الدین، کراچی، محمد موٹی سکھر اور مہرین فاطمہ گوہر کراچی بالترتیب اوّل دوم اور سوئم قرار پائے۔

اس مقابلے کا ایک مقصد آپ کی تخلیقی صلاحیتوں کو اُجاگر کرنا بھی تھا۔

اوّل انعام (راحت صلاح الدین، منگھو پیر روڈ، کراچی)

انکل ٹام کا اصلی نام تو نہ جانے کیا تھا لیکن وہ اسی نام سے جانے پہچانے جاتے تھے اور اس کی وجہ ان کا حُلیہ تھا۔ یہ لمبا سا ہیٹ، پینٹ اور کوٹ۔ کرتے کراتے تو کچھ نہیں تھے، بننے سنورنے کا شوق تھا۔ انکل ٹام کی اس عادت کی وجہ سے تمام گھر والے بیحد پریشان تھے اور ان کو سُدھارنے کے لئے ترکیبیں سوچ رہے تھے آخر کافی سوچ بچار کے بعد یہ فیصلہ ہوا کہ انکل ٹام کو نوکری تلاش کرنے کے بہانے کسی دوسرے شہر بھیج دیا جائے۔

انکل ٹام کو جب اس بات کا علم ہوا تو وہ بہت چیخے چلائے مگر کسی نے بھی اُن کی ایک نہ سُنی۔ مجبوراً انکل ٹام کو دوسرے شہر نوکری کے لئے جانا پڑا۔

دوسرے شہر میں پہنچتے ہی انہوں نے نوکری تلاش کرنی شروع کردی۔ لیکن انہیں نوکری نہ ملنی تھی نہ ملی۔

آخر رات سر پر آگئی۔ انکل ٹام کو رات گزارنے کی فکر لاحق ہوگئی۔ اور وہ رات بسر کرنے کے لئے جگہ ڈھونڈنے لگے۔ چلتے چلتے انکل ٹام ایک پارک میں پہنچ گئے۔ چونکہ رات کے ساڑھے دس بج چکے تھے۔ اس لئے پارک بالکل سُنسان پڑا تھا۔ وہ یہ دیکھ کر بہت خوش ہوئے۔ کیونکہ انہیں سونے کے لئے جگہ مل گئی تھی۔

پارک میں ایک مُجسمہ بھی موجود تھا۔ انکل ٹام نے اپنی چھڑی مجسّمے کے ایک ہاتھ میں ٹکائی اور دوسرے ہاتھ میں کوٹ اُتار کر لٹکایا اور تھیلے میں سے گھڑی نکال کر بنچ کے اُوپر لٹکائی اور دوسرے ہاتھ میں اخبار نکال کر پڑھنا شروع کردیا۔ کیونکہ اِن کی عادت تھی کہ وہ سونے سے پہلے اخبار ضرور پڑھتے تھے۔

انکل ٹام نے پورا اخبار پڑھ ڈالا لیکن انہیں نیند نہ آسکی۔ آتی بھی کیسے جبکہ انہیں روشنی میں بالکل نیند نہیں آتی تھی۔ اچانک انہیں ایک ترکیب سُوجھی انہوں نے اپنا ہیٹ اتار کر وہیں بیٹھے بیٹھے ہی لیمپ کی طرف اُچھالا اور ایسا کرتے ہوئے انکل ٹام گرتے گرتے بچے۔ مگر اس کے باوجود ان کا ہیٹ لیمپ میں جا کر ٹنگ گیا۔

اب انکل ٹام نے پانی کی بوتل نکالی کیونکہ انہیں بہت سخت پیاس لگ رہی تھی۔ پانی پی کر انکل ٹام نے اپنے جوتے اتارے اور پھر بنچ پر لیٹ گئے۔

انکل ٹام نے یہ عہد کر کے اپنی آنکھیں بند کرلیں کہ آئندہ پھر کبھی سُستی اور کاہلی سے کام نہیں لیں گے۔ اور صبح اُٹھتے ہی جو کام ملا چاہے، وہ محنت مزدوری ہی کیوں نہ ہو وہ کریں گے۔ اور اپنے ٹھہرنے کا انتظام کریں گے۔

آؤ بچّو! ہم بھی دُعا کریں کہ انکل ٹام اپنے وعدے پر قائم رہیں اور سُستی اور کاہلی ہمیشہ کے لئے چھوڑ دیں۔

(دوئم انعام مُحمّد موسیٰ، مارچ باز (سکھر)

ہیرسن آج بہت خوش تھا۔ بات دراصل یہ تھی کہ آج اس کو بڑی بھاگ دوڑ کے بعد ایک جگہ ملازمت ملی تھی۔ ابھی ابھی وہ نوکری پکّی کر کے آیا تھا۔ ۵۰۰/- روپے ماہوار پر ملازمت ملی تھی۔ روپے کم تھے مگر پھر بھی اس کو ترقی کے مواقع تھے۔

ہیرسن پچھلے ایک ماہ سے اپنے گاؤں سے شہر آیا تھا۔ شروع شروع میں اس نے ایک ہوٹل میں رہائش اختیار کی لیکن بعد میں پیسے ختم ہوجانے کی وجہ سے ایک پارک میں رہنا پڑا۔ اس کا کُل اَثاثہ ایک بیگ تھا۔ جس میں اس کی ضرورت کی اشیاء تھیں۔ ہیرسن کچھ بے وقوف بھی واقع ہوا تھا۔ اس کے گاؤں سے شہر آنے کی وجہ کچھ عجیب سی تھی۔ بات دراصل یہ تھی کہ ہیرسن کو اپنی شادی کرنی تھی اور اس کے سسرال والوں نے یہ شرط رکھی تھی کہ جب تک وہ دس ہزار روپے نہ دے گا اس وقت تک اس کی شادی نہ ہو سکے گی۔ اس لئے وہ شہر میں دس ہزار روپے جمع کرنے کی غرض سے آیا تھا۔ اب جبکہ اس کو نوکری مل چکی تھی۔ اس نے اپنی شادی کے خواب دیکھنا شروع کر دیئے۔

وہ آج جلد ہی پارک میں آ چکا تھا۔ جب رات ہوگئی تو اس نے سونے کی تیّاریاں شروع کردیں۔ سب سے پہلے اس نے اپنا کوٹ اتار کر پارک میں موجود پتھر کے ایک مجسّمہ کو پہنا دیا اور چھڑی اس کے ہاتھ میں دے دی۔ یہ مجسّمہ اس کے لئے اچھا چوکیدار ثابت ہوا تھا۔ کیونکہ جب وہ اس کو اپنا کوٹ پہنا دیتا اور چھڑی اس کے ہاتھ میں دے دیتا تو وہ بالکل انسان کی طرح لگتا اور اس طرح وہ چور اُچکّوں سے محفوظ رہتا تھا۔ اس نے اپنا بیگ کھول کر اس میں سے الارم والی گھڑی نکالی اور ٹائم سیٹ کرنے کے بعد اس نے گھڑی بنچ کی پُشت پر رکھ دی۔ اخبار کو اس نے بطور کمبل استعمال کیا اور اس نے اپنا ہیٹ اس طرح روشنی کے لیمپ پر رکھ دیا کہ اس کی روشنی اس پر نہ پڑے۔ تقریباً پونے بارہ بجے کے قریب وہ سو گیا صبح کو جب اس کی آنکھ کھلی اور اس نے گھڑی دیکھی تو وہ ہڑبڑا کر اُٹھ بیٹھا کیونکہ اس وقت نو بج چکے تھے۔ اور اس کو کام پر سات بجے جانا تھا۔ جب وہ اپنے مالک کے پاس گیا تو اس نے کام پر رکھنے سے انکار کر دیا وہ بہت پچھتایا۔ آخر اب کیا ہو سکتا تھا۔

"سچ ہے جو سوتا ہے وہ کھوتا ہے۔"

(سوئم انعام، مہوش فاطمہ گوھر، نارتھ ناظم آباد، کراچی)

گھومتے خان کو (جیسے کہ نام سے ظاہر ہو رہا ہے) گھومنے کا بہت شوق تھا۔ اپنا ایک پُرانا بوسیدہ بیگ اٹھایا۔ اس میں الَم غلَم چیزیں مثلاً گھڑی، اخبار اور کھانا ڈالا بیگ کو چھڑی پر لٹکا کر نکل پڑتے گھر سے اور شہر کی سڑکوں کی خاک چھاننے لگتے۔

ایک دن جب آوارہ گردی کر کے گھر کی جانب رواں دواں تھے تو رات ہوگئی "اب کیا کریں۔ چلو آج کسی پارک میں بسیرا کر لیا جائے" گھومتے خان نے سوچا اور پارک کی بنچ پر قبضہ جما دیا۔ سامنے ہی بنچ کے ایک مجسمہ کھڑا تھا اس پر اپنا کوٹ اور چھڑی ٹکائی، بیگ میں سے گھڑی نکال کر بنچ پر نصب کی تاکہ جلدی آنکھ کھل سکے۔ پُرانے بوسیدہ بیگ کو بطور تکیہ نیچے رکھا، پرانے اخبار کو اوڑھا اور ٹوپی اسٹریٹ لائٹ پر دے ماری جس سے روشنی آنا بند ہوگئی، اس کے بعد گھومتے خان بڑی شان سے خوابِ خرگوش کے مزے لینے لگے۔ اور صبح اٹھتے ہی نو دو گیارہ ہوگئے۔

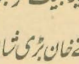

ننھے ہاتھ نئی تحریریں

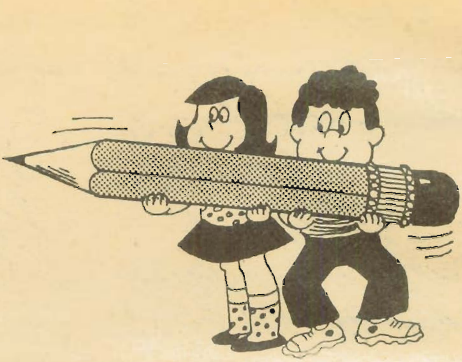

کہانی چور

راحت صلاح الدین ماڈرن کالونی منگھوپیر روڈ کراچی

آفرین جیسے ہی اشعر کے کمرے میں داخل ہوئی پلنگ پہ "آنکھ مچولی" کا نیا شمارہ دیکھ کر خوش ہوگئی اور جلدی سے رسالہ اٹھا کر دیکھنے لگی ایک صفحے پر آکر آفرین کی حیرت کی انتہا نہ رہی۔ لیکن پھر اچانک اس کے چہرے پر خوشی ظاہر ہونے لگی۔ وہ فوراً رسالہ لے کر باہر نکل آئی اور اپنی امی کے پاس جا پہنچی اور رسالہ انہیں دکھایا۔

پہلے تو آفرین کی امّی نے اُسے حیرت سے دیکھا پھر انہوں نے کہانی پڑھی تو بہت خوش ہوئیں اور آفرین کی خوب تعریف کی۔ اُسی وقت اشعر وہاں سے گذرا تو آفرین کو دیکھ کر اُسے بہت غصّہ آیا۔ آفرین بھی اشعر کو غصّے میں دیکھ کر بوکھلا گئی وہ فوراً سمجھ گئی کہ اشعر نے رسالہ دیکھ لیا ہے اور کہانی بھی دیکھ لی ہے اور اب اشعر امی کو سب کچھ بتا دے گا۔ لیکن اشعر خاموشی سے وہاں سے گذر گیا۔ یہ دیکھ کر آفرین کو کچھ حوصلہ ہوا تو وہ اپنی بوکھلاہٹ دُور کرنے کی کوشش کرنے لگی۔

امّی جان نے بھی آفرین اور اشعر کے درمیان یہ باتیں نوٹ کیں تو انہوں نے آفرین سے وجہ پوچھی تو آفرین "کچھ نہیں" کہہ کر وہاں سے نکل آئی۔

شام کو جب پاپا دفتر سے آئے تو آفرین نے انہیں بھی رسالے میں چھپی کہانی دکھائی تو وہ بہت خوش ہوئے اور انہوں نے بھی آفرین کو شاباشی دی۔

اگلے دن جمعہ تھا اور صبح سے گھر میں چہل پہل تھی۔ جمعے کی نماز کے بعد سب نے کھانا کھایا کھانے سے فارغ ہوکر وہ سب ڈرائینگ روم میں جمع ہو گئے اور باتوں میں مصروف ہوگئے۔

آفرین کو حیرت ہو رہی تھی کہ اشعر بھی اس سے ہنس ہنس کے باتیں کر رہا ہے جبکہ کل کے واقعے سے معلوم ہوتا تھا کہ اشعر نے اس کی کہانی رسالے میں دیکھ لی ہے اور وہ بہت غصّے میں ہے۔

ابھی آفرین اسی بات پہ حیران ہو رہی تھی کہ

اچانک اشعر نے اُس سے مخاطب ہوکر کہا کہ "آؤ ہم دونوں لوڈو کھیلتے ہیں تم میرے کمرے سے لوڈو لے آؤ۔"

آفرین نے چونک کر اشعر کی طرف دیکھا اور کچھ نہ سمجھتے ہوئے کمرے سے نکل کر اشعر کے کمرے میں پہنچ گئی اور لوڈو تلاش کرنے لگی۔ اس کی نظر ایک دم میز پر پڑی جہاں اشعر بیٹھ کر پڑھتا تھا۔ وہاں پر کاپی دیکھ کر آفرین نے آگے بڑھ کے کاپی اٹھالی اور دیکھنے لگی۔ کاپی میں اشعر نے بہت سی کہانیاں لکھ رکھی تھیں۔

آفرین یہ دیکھ کر خوش ہوگئی اور کاپی کو چھپانے کی کوشش کرنے لگی۔ اسی وقت اشعر نے پیچھے سے آفرین کو آواز دی تو آفرین اُچھل پڑی اور جلدی سے مڑ کر دیکھا تو اشعر مسکراتے ہوئے اُسے دیکھ رہا تھا۔ اور اُس کے پیچھے امی اور پاپا کھڑے تھے۔

یہ دیکھ کر آفرین بوکھلا گئی۔

"کیا کررہی تھیں آفی؟" اشعر نے مسکراتے ہوئے پوچھا تو آفرین نے ہکلا کر کہا "کک...... کچھ نہیں......"

"تو پھر تم میری یہ کاپی چھپانے کی کوشش کیوں کررہی تھیں؟" اشعر کے اس سوال پر آفرین مزید بوکھلا گئی اور ہکلا کر رہ گئی "نن...... نہیں تو۔ وہ تو...... میں ...... دراصل میں تو......" لیکن پھر سنبھل کر بولی "میں تو تمہاری کاپی دیکھ رہی تھی۔"

"جھوٹ مت بولو آفرین......" اس دفعہ پاپا فوراً بولے "ہم نے تمہیں خود دیکھا کہ تم کاپی چھپانے کی کوشش کررہی تھیں...... اشعر نے بھی ہمیں یہ بتا دیا ہے کہ وہ جو تمہارے نام سے کہانی رسالے میں چھپی ہے وہ اشعر کی لکھی ہوئی ہے اور تم نے وہ کہانی چوری کرکے بھیجی تھی۔"

"جج...... جی نہیں تو پاپا" آفرین اپنے پکڑے جانے پر سٹپٹائی اور اس نے ایک بار پھر جھوٹ بولنے کی ناکام کوشش کی تو امی فوراً بولیں "تم یقیناً جھوٹ بول رہی ہو کیونکہ تمہارے چہرے سے یہ صاف ظاہر ہورہا ہے" "اور آفرین، تمہیں معلوم ہے کہ چوری کرنا اور جھوٹ بولنا بہت بڑا گناہ ہے اور اللہ تعالےٰ چوری اور جھوٹ کو بالکل پسند نہیں فرماتے اور اس کی سزا دیتے ہیں" پاپا نے کہا تو اُس کے دل میں اچانک خدا کا خوف جاگ اُٹھا اور وہ رونے لگی۔ کیونکہ اس نے واقعی چوری کی تھی۔ آفرین نے روتے ہوئے اِس بات کا اقرار کرلیا۔ آفرین کو مسلسل روتا ہوا دیکھ کر اس کی امی پاپا نے اسے سمجھایا کہ اگر وہ سچے دل سے چوری کرنے اور جھوٹ بولنے سے توبہ کرلے تو اللہ تعالیٰ اسے معاف فرما دیں گے۔

اُسی وقت آفرین نے اپنے دل میں عہد کرلیا کہ آئندہ کبھی چوری اور جھوٹ نہیں بولے گی۔ اشعر نے جب آفرین کے چہرے پر ندامت کے آنسو دیکھے تو اشعر نے اپنا فیصلہ بدل لیا کیونکہ اس نے ارادہ کرلیا تھا کہ وہ آفرین کو اس کی سزا ضرور دے گا۔

اشعر کو اپنا فیصلہ تبدیل کرکے بہت اطمینان ہوا اور پھر اُسے وہ حدیث یاد آگئی "انتقام لینے

سے بہتر ہے کہ تم اپنے ساتھی کی خطا کو معاف کر دو"

ذہانت آزمائیے

سائنسدانوں کا حیرت انگیز اعلان :

۱۹۸۰ء کے اوائل میں دنیا کے چوٹی کے سائنسدانوں کے ایک گروپ نے ایک حیرت انگیز اعلان کیا کہ انہوں نے نظام شمسی میں شامل ایک سیارے میں آباد مخلوق کا پتہ لگا لیا اور ان کا وہاں آباد مخلوق سے باقاعدہ رابطہ بھی قائم ہے دنیا کی کئی حکومتوں نے سرکاری طور پر ان کے اعلان کی تصدیق بھی کر دی۔ یقیناً یہ خبر آپ کے لئے دھماکہ سے کم نہ ہوگی ہاں! تو کیا آپ اس سیارے کا نام بتا سکتے ہیں؟

۲۔ کیسے دیکھ لیا۔

تیز بارش ہو رہی تھی۔ ارشد جو سیاہ سوٹ پہنے ہوئے تھے سیاہ کار میں جس کی تمام بتیاں بجھی ہوئی تھیں تیزی سے جا رہے تھے۔ اچانک ایک اور صاحب جو خود بھی سیاہ سوٹ میں ملبوس تھے انہیں کافی دور سے ہاتھ سے روکنے کا اشارہ کیا۔ ارشد نے فوراً کار روک لی۔ بتائیے انہوں نے اس شخص کا اشارہ کیسے دیکھ لیا۔ جبکہ نہ اس وقت بجلی چمکی تھی نہ ہی دور دور کسی اور گاڑی کی روشنی کا نام و نشان تھا اور نہ ہی سڑک کے کنارے کی لائٹیں جل رہی تھیں؟

۳۔ کیا رشتہ ہے؟

"سلیم کی ماں میری ماں کی واحد اولاد ہے" مسز اجمل نے مسز کمال کو بتایا بتائیے سلیم کا مسز اجمل سے

دعا

مہرین فاطمہ مہر

اے خدا سب سے جدا
تیرا کرم ہم پر سدا
سنتا ہے تو سب کی دعا
میری بھی سن لے التجا
تیرا ذکر کرتی رہوں
تیرا شکر کرتی رہوں
ہر ایک سے مل کر رہوں
ہر دم سدا میں خوش رہوں
تیرا حکم مانوں سدا
کرتی رہوں حمد و ثنا
تجھ کو نہ بھولوں میں سدا
سن لے مہر کی التجا

کیا رشتہ ہے؟

۴۔ کس کی تنخواہ بہتر ہے۔

ایک سرکس میں دو کرتب دکھانے والے دو ہزار روپے ماہوار پر ملازم رکھے گئے یعنی ہر ایک کی تنخواہ دو ہزار روپے تھی۔ سرکس کے مالک نے ایک کرتب دکھانے والے سے ۲۰۰ روپے سالانہ ترقی دینے کا وعدہ کیا اور دوسرے سے ۱۰۰ روپے ششماہی ترقی دینے کا وعدہ کیا۔ بتائیے کس کی تنخواہ بہتر ہے اور کیوں؟

۵۔ سب سے کم کھانا کس نے کھایا؟

راشد، ارشد، رشید اور ارشاد کھانے کی ایک میز
پر بیٹھے ہیں ارشد نے راشد اور رشید سے زیادہ کھانا کھایا۔
راشد نے ارشاد سے زیادہ کھانا کھایا۔ مگر اتنا نہیں جتنا
رشید نے کھایا تھا۔ بتایئے سب سے کم کھانا کس نے کھایا۔

۶: وہ ایسا کیوں نہ کر سکا؟

کمرہ بالکل خالی تھا۔ فرش ہموار اور سمینٹ کا بنا ہوا تھا
اس میں کسی قسم کی رکاوٹ یا گڑھا موجود نہ تھا دروازہ اندر
سے بند کرنے کے بعد ایک شخص نے دوسرے سے کہا۔
"میں اپنا ہیٹ فرش پر رکھ دوں گا اگر تم نے چھوئے بغیر
اس ہیٹ پر سے چھلانگ لگائی تو ایک ہزار روپے نقد
دوں گا۔ ورنہ ایک ہزار روپے تمہیں ادا کرنے پڑیں گے"
شرط بظاہر معمولی تھی اور دوسرے آدمی نے قدرے غور و
فکر کے بعد اس کا یہ چیلنج قبول بھی کر لیا۔ لیکن جب پہلے
آدمی نے اپنا ہیٹ کمرے کے فرش پر رکھا تو دوسرا چھلانگ
لگانے کی جرات نہ کر سکا بتایئے کیوں؟

۷: آپس میں کیا رشتہ ہے۔

خوب سوچ کر جواب دیجئے سکندر نے کہا "میرا
کوئی بھائی ہے نہ بہن لیکن احمد کے والد میرے والد کے صاحبزادے
ہیں" بتایئے سکندر اور احمد کا آپس میں کیا رشتہ ہے؟

۸: وہ کس کس رنگ کی ٹائی پہنے ہوئے تھے؟

مسٹر براؤن، مسٹر گرین اور مسٹر بلیک ایک تقریب
میں مدعو تھے انہوں نے سبز سیاہ اور بھورے رنگ کی
ٹائیاں لگائی ہوئی تھیں اچانک اس شخص نے جو سبز
رنگ کی ٹائی پہنے ہوئے تھا۔ مسٹر براؤن سے بولا "اگرچہ
ہمارے نام بھی یہی ہیں جن رنگوں کی ٹائیاں ہم سب
پہنے ہوئے ہیں لیکن ہم میں سے کوئی اپنے نام کے رنگ
کی ٹائی پہنے ہوئے نہیں ہے۔"
"ہاں یہ تو ہے" مسٹر براؤن نے تصدیق کی بتایئے
وہ تینوں حضرات کن کن رنگوں کی ٹائیاں پہنے ہوئے تھے

جوابات

۱: سائنس دانوں کا حیرت انگیز اعلان؟

اس سیارے کا نام ہے زمین۔ زمین جو کہ نظام شمسی
کے ۹ سیاروں میں شامل ہے۔

۲: کیسے دیکھ لیا؟

وقت دن کا تھا سوال میں سماں ایسا باندھا گیا
ہے کہ گمان ہوتا ہے کہ رات کا منظر ہے جب کہ کہیں
بھی کوئی ایسی بات نہیں کہی گئی ہے۔

۳: کیا رشتہ ہے؟

بیٹے کا۔

۴: کس کی تنخواہ بہتر ہے؟

دوسرے کی تنخواہ بہتر ہے کیوں کہ ۶ ماہ کے بعد سے
جو ۱۰۰ روپے کی ترقی ہوئی اس کی وجہ سے ۶ ماہ میں اسے
۶۰۰ روپے کا فائدہ ہوگا اور سال بھر کے بعد دونوں کی
تنخواہ برابر ہو جائے گی۔

۵: سب سے کم کھانا کس نے کھایا؟

ارشاد نے

مقابلۂ کارٹون کیپشن (نتائج)

مقابلے کے شرکائے نے ہمیں بڑے دلچسپ کیپشن لکھ کر بھیجے۔ ان میں شازیہ فاروق کو بہترین کیپشن تحریر کرنے پر پرچہ جاری کیا جارہا ہے۔ (ادارہ)

۱۔ "ناظرین لگتا ہے آج پھر کوئی باتھ روم کا نل بند کرنا بھول گیا ہے۔ اس لیے فی الوقت میں آپ سے اجازت چاہوں گا۔"

۲۔ بوڑھا۔ "غالباً تم نے ہی کل کرکٹ کھیلتے ہوئے چھکے کی فکر میں میرے گھر کی کھڑکی کا شیشہ توڑا تھا۔ میں تمھارے والد سے شکایت کروں گا۔"

لڑکا۔ "آپ کو غلط فہمی ہوئی ہے میں تو بولنگ کررہا تھا بیٹنگ تو میرے والد کررہے تھے۔"

۳۔ "آپ یہ کیسے کہہ سکتے کہ آپ نے اپنی چوری کی ہوئی کلہاڑی پہچان لی ہے جبکہ میں نے کلہاڑی کے دستے پر رنگ کروالیا ہے۔"

۴۔ "منہ سے پانی پی کر ناک سے نکالنا کوئی کمال نہیں۔ میری امی تو منہ سے پانی پی کر آنکھوں سے نکالتی ہیں۔"

۵۔ "بے وقوف یہ تمھارے سوال کا کیا جواب دے گا۔ دیکھتے نہیں ہو یہ انڈے کے کس قدر موٹے خول میں بند ہے۔"

۶۔ "اگر یہ ساری مچھلیاں میں تمھیں بیچ دوں تو بازار میں کیا بیچوں گا؟"

امجد اسلام امجد کو صدارتی ایوارڈ دیا گیا

ماہنامہ "آنکھ مچولی" کے [illegible] جناب امجد اسلام امجد کو یوم پاکستان کے پرمسرت موقع پر [illegible] ۱۹۸۷ء [illegible] صدر پاکستان جنرل محمد ضیاء الحق نے صدارتی ایوارڈ دیا۔ ادارہ آنکھ مچولی انھیں یہ اعزاز ملنے پر دلی مبارکباد پیش کرتا ہے۔

آنکھ مچولی کو اپنے قارئین، اہل علم حضرات اور مختلف شعبہ ہائے زندگی سے تعلق رکھنے والے افراد کی جانب سے بے شمار خطوط موصول ہوئے ہیں جن میں فن و ادب کے فروغ کے سلسلے میں جناب امجد اسلام امجد کی خدمات کو سراہا گیا ہے اور انھیں اس اعلیٰ اعزاز کا مستحق قرار دیتے ہوئے مبارکباد دی گئی ہے۔

جناب امجد اسلام امجد ان تمام افراد کا شکریہ ادا کرتے ہیں جنھوں نے آنکھ مچولی کے توسط سے انھیں خطوط لکھے اور مبارک باد دی۔ ادارہ آنکھ مچولی بھی تمام افراد کا مشکور ہے۔

ماہنامہ

آنکھ مچولی

اچھا پڑھیے

آگے بڑھیے

آپ کی علمی ضرورت بھی ہے اور آپ کے ادبی

اسے باقاعدگی سے پڑھنے کے لئے اور اس کے حصول کو آسان بنانے کے لئے

ہماری میں شامل ہو جایئے

اس میں مالی منفعت بھی ہے اور علمی فائدہ بھی

اسے حاصل کرنے کی ذمہ داری ہم پر ڈال دیجئے*

ماہنامہ آنکھ مچولی (خصوصی بچت اسکیم) گرین گائیڈ اکیڈمی ڈی۔ ۱۱۲ سائٹ کراچی نمبر ۱۶

خصوصی بچت اسکیم

۱۲ شماروں کی قیمت (مع خصوصی شمارے) رجسٹرڈ ڈاک سے ۱۴۰/۹۰ روپے

۲۴ شماروں کی قیمت (مع خصوصی شمارے)۔ رجسٹرڈ ڈاک سے ۲۸۰/۱۸۰ روپے

مالی فائدے کے علاوہ زحمت سے نجات رسالے کی بحفاظت ترسیل اور ۲ سالہ ممبر شپ پر قیمتی کتب بلا معاوضہ

- -

میں ماہنامہ "آنکھ مچولی کی خصوصی بچت اسکیم میں شامل ہونا چاہتا / چاہتی ہوں
اس کوپن کے ساتھ ۱۲/۲۴ شماروں کی قیمت مبلغ..... روپے کا بینک ڈرافٹ / پوسٹل آرڈر
منی آرڈر کی رسید منسلک ہے ـــ میرے نام حسبِ ذیل پتے پر ماہ ...... سے ماہنامہ
ی کر دیا جائے۔

نام ________________________

مکمل پتہ ________________________

کوئی ضروری ہدایت ________________________

فون نمبر ________________ دستخط ________

PID Islamabad
PARAGON

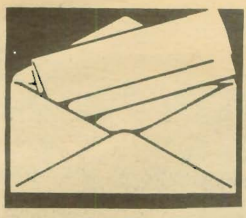

آؤ ملائیں ہاتھ

عمران، گیارہ سال
جماعت ہفتم، مشغلہ، کرکٹ کھیلنا
بڑے ہو کر پینٹر بننا چاہتا ہوں
پسندیدہ مضمون، ڈرائنگ
مکان نمبر ۱۶ سیکٹر ایل اے/۵ جمعہ کالونی، اورنگی، ــــ کراچی

انور احمد، چودہ سال
جماعت نہم، مشغلہ، معلومات بڑھانا
بڑے ہو کر بزنس مین بننا چاہتا ہوں
پسندیدہ مضمون، حساب
۱۲ بی ایوب کالونی، لطیف آباد ــــ حیدرآباد

محمد اسلم، تیرہ سال
جماعت ہفتم، مشغلہ، کتب پڑھنا
بڑے ہو کر پائلٹ بننا چاہتا ہوں
پسندیدہ مضمون، اردو
نواز کریانہ اسٹور، محلہ محمد نگر لانڈھی، ــــ کراچی ۲۲

شہنشاہ بابر، چودہ سال
جماعت نہم، مشغلہ، ٹکٹ جمع کرنا
بڑے ہو کر ڈاکٹر بننا چاہتا ہوں
پسندیدہ مضمون، بیالوجی
محمود اسٹریٹ، فاروق آباد، ــــ بھاولنگر

فیصل امیر خان، تیرہ سال
جماعت ہشتم، مشغلہ، کرکٹ کھیلنا
بڑے ہو کر کھلاڑی بننا چاہتا ہوں
پسندیدہ مضمون، حساب
معرفت حفیظ اللہ خان، محکمہ جنگلات، اسپنی روڈ، کوئٹہ۔

محمد شکیل تیرہ سال
جماعت ہفتم، مشغلہ، ٹکٹ جمع کرنا
بڑے ہو کر ڈاکٹر بننا چاہتا ہوں
پسندیدہ مضمون، اردو
محلہ عثمان پارک، فرید ٹاؤن ــــ گوجرانوالہ

بخش علی چانڈیو، تیرہ سال
جماعت ہفتم مشغلہ کرکٹ کھیلنا
بڑے ہو کر پائلٹ بنا چاہتا ہوں
پسندیدہ مضمون، سندھی
گوٹھ گل محمد چھچھر، تعلقہ ٹنڈوالہ یار، ــــ سندھ

محمد ریحان، تیرہ سال
جماعت ہشتم مشغلہ، کرکٹ کھیلنا
بڑے ہو کر کسٹم آفیسر بننا چاہتا ہوں
پسندیدہ مضمون، انگلش
معرفت محمد رمضان، ریلوے کالونی، ــــ حیدرآباد

ماجد اشرف، آٹھ سال
جماعت سوئم مشغلہ، کرکٹ کھیلنا
بڑے ہو کر بزنس مین بنا چاہتا ہوں
پسندیدہ مضمون، اردو
پی/۴۲ خیابان کالونی، مدینہ ٹاؤن، فیصل آباد

محمد نعیم احمد، گیارہ سال
جماعت ششم مشغلہ، کرکٹ کھیلنا
بڑے ہو کر انجنیئر بنا چاہتا ہوں
پسندیدہ مضمون، اردو
شکیل منزل، رحمٰن کالونی، گلی نمبر۳، ضلع اوکاڑہ

عبدالرشید، دس سال
جماعت دوئم مشغلہ، قرآن پڑھنا
بڑے ہو کر پائلٹ بنا چاہتا ہوں
پسندیدہ مضمون، اردو
مکان نمبر ۵۳۸ بلاک ۲۴ سمن آباد، فیصل آباد ــــ

محمد ایاز، پندرہ سال
جماعت دہم مشغلہ، قلمی دوستی
بڑے ہو کر انجنیئر بنا چاہتا ہوں
پسندیدہ مضمون، میکینیکل ڈرائنگ
معرفت ریاض کمپاؤنڈر، منگھوپیر گرم چشمہ، کراچی ــ

محمد ناصر، تیرہ سال
جماعت نہم مشغلہ کرکٹ کھیلنا
بڑے ہو کر ڈاکٹر بنا چاہتا ہوں
پسندیدہ مضمون، اردو
مکان نمبر ۳۵۹ بلاک اے، لطیف آباد، ــــ حیدرآباد

ارشد عمران، پندرہ سال
جماعت ہشتم مشغلہ، قلمی دوستی
بڑے ہو کر انجنیئر بنا چاہتا ہوں
پسندیدہ مضمون، اردو
محلہ مسلم ٹاؤن، پنڈی گھیب، ــــ ضلع اٹک

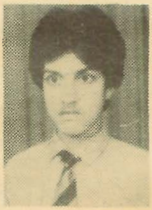

ندیم قیصر، پندرہ سال
جماعت نہم مشغلہ، خط وکتابت
بڑے ہو کر ڈاکٹر بنا چاہتا ہوں
پسندیدہ مضمون، بیالوجی
مکان نمبر ۶۹۰-۱۴۶/۱۴۶ الیف کھوکھر محلہ، ــــ حیدرآباد

شہزاد علی، بارہ سال
جماعت ہفتم مشغلہ، کہانیاں پڑھنا
بڑے ہو کر انجنیئر بنا چاہتا ہوں
پسندیدہ مضمون، اسلامیات
مکان نمبر ۱۹، آغا خان نشتر روڈ ــــ کراچی نمبر۳

محمد نعیم ، سترہ سال
جماعت نہم، مشغلہ ، ہاکی کھیلنا
بڑے ہوکر پائلٹ بننا چاہتا ہوں
پسندیدہ مضمون، حساب
مکان نمبر ۶۰-۱۳، فقیر کالونی، ——— کراچی

مقبول شاہ ، سولہ سال
جماعت ہشتم، مشغلہ، فٹبال کھیلنا
بڑے ہوکر ڈاکٹر بننا چاہتا ہوں
پسندیدہ مضمون، اسلامیات
مقبول شاہ، معرفت بسم اللہ بیکری ، دھوراجی کالونی ، کراچی

نیک نام محمد بیگ ، تیرہ سال
جماعت ہشتم، مشغلہ، کرکٹ کھیلنا
بڑے ہوکر پائلٹ بننا چاہتا ہوں
پسندیدہ مضمون، حساب
۴۶۸ ۔ جماعت خانہ بازار ——— گلگت

محبوب فضل الٰہی چودہ سال
جماعت ہفتم، مشغلہ، مطالعہ کرنا
بڑے ہوکر کمانڈو بننا چاہتا ہوں
پسندیدہ مضمون، انگلش
آرمی برن ہال کالج ——— ایبٹ آباد

عبدالراشد، تیرہ سال
جماعت ہشتم، مشغلہ، کرکٹ کھیلنا
بڑے ہوکر کرکٹر بننا چاہتا ہوں
پسندیدہ مضمون، حساب
۷/۹ ۔ اے ملیر توسیعی کالونی، ——— کراچی، ۳۷

محمد آصف بھٹی ، چودہ سال
جماعت نہم، مشغلہ، کرکٹ کھیلنا
بڑے ہوکر پائلٹ بننا چاہتا ہوں
پسندیدہ مضمون، بیالوجی
محمد بشیر بھٹی، محلہ عالم خیرہ ——— ڈیرہ

ایم ایس سلیمی ، چودہ سال
جماعت ہشتم، مشغلہ، اسلامی کتب پڑھنا
بڑے ہوکر پائلٹ بننا چاہتا ہوں
پسندیدہ مضمون، عربی
محمد حنیف، محمد سلمان، غلہ منڈی، ——— پنڈ دادن خان

عامر رشید، چودہ سال
جماعت ہشتم، مشغلہ، نماز پڑھنا
بڑے ہوکر پائلٹ بننا چاہتا ہوں
پسندیدہ مضمون، عربی
رشید سوپ فیکٹری، چوک فوارہ ہارون آباد، ضلع بھاولنگر

اسرار احمد خان، پندرہ سال
جماعت دہم، مشغلہ، ٹکٹ جمع کرنا
بڑے ہوکر سول انجنیئر بننا چاہتا ہوں
پسندیدہ مضمون، ٹیکنیکل ڈرائنگ
گل میوزک سینٹر، بلاک سی، شیر شاہ کالونی ، کراچی

خلیل احمد، دس سال
جماعت، چہارم، مشغلہ، کرکٹ کھیلنا
بڑے ہوکر انجنیئر بننا چاہتا ہوں
پسندیدہ مضمون، سائنس
مکان نمبر ۹/۷، اے، پی آئی بی کالونی ——— کراچی

SG 13 85 B UDC
R-LINTAS

ایک صفحہ امّی ابُو کے لیے

آپ اپنے بچّے کو ڈاکٹر، انجنیئر، چارٹرڈ اکاؤنٹنٹ، پائلٹ، پروفیسر اور تاجر نہ جانے کیا کیا بنانا چاہتے ہیں لیکن کیا آپ نے اپنے بچّے کو ایک اچھا انسان بنانے کے متعلق بھی کبھی سوچا ہے؟ ایک ایسا انسان جو دلِ درد مند کا مالک اور احترامِ آدمیت سے واقف ہو۔ معاشرے کو سب سے پہلے اچھے انسانوں کی ضرورت ہوتی ہے۔ بچّے بڑے ہو کر اچھے انسان نہ بنیں تو وہ کچھ بھی بن جائیں معاشرے کے لئے سود مند ثابت نہیں ہوتے۔

اگر آپ ایک ایسا معاشرہ تعمیر کرنا چاہتے ہیں جس میں باہمی محبّت، اخوّت اور مساوات عام ہو تو اپنے بچّے کے دل میں انسانوں سے محبت کا جذبہ پیدا کریں۔

• — اپنے بچّے کی عزّت کریں تاکہ اس کے دل میں بھی خوف کے بجائے آپ کی حقیقی عزت پیدا ہو اور اسے غیر شعوری طور پر احساس ہو کہ بلا لحاظِ عمر و مرتبہ ہر شخص عزت کا مستحق ہوتا ہے۔

• — گھر کے ملازم کو نہ جھڑکیں تاکہ آپ کا بچّہ بھی ان کی ہتک نہ کرے۔ کسی گداگر کو نہ دھتکاریں تاکہ آپ کا بچہ بھی انہیں انسان سمجھے۔

• — اپنے بچّے کی موجودگی میں کسی کی غیبت، تحقیر، تذلیل اور توہین نہ کریں، کسی کے قد کاٹھ، ہیئت، چہرے مہرے کا مضحکہ اڑا کر خوش نہ ہوں، کسی کے لباس، گھر کے رہن سہن کے انداز کو تنقید کا نشانہ نہ بنائیں۔

• — کسی کی حماقت اور بھول چوک کی نمک مرچ لگا کر محض اس لئے تشہیر نہ کریں کہ اس سے محفل کا رنگ دوبالا ہو جاتا ہے۔

• — معمولی تنازعات میں جب آپ ایک دوسرے کو طعنے دے رہے یا کوس رہے ہوتے ہیں یا چیزیں اٹھا کر پٹخ رہے ہوتے ہیں تو آپ کے بچے، کسی کونے میں دُبکے آپ کو بہت غور سے دیکھ رہے ہوتے ہیں۔

بچوں کی حقیقی نشوونما انہی بظاہر معمولی باتوں سے ہوتی ہے۔ یہ بے حقیقت واقعات کبھی کبھار ہی پیش آتے ہیں۔ لیکن بچوں کے ذہنوں پر ان کا نقش ساری عمر رہتا ہے۔ وہ ہر ایسے موقع پر وہی عمل دہراتے ہیں جس کا نمونہ آپ نے ان کے سامنے پیش کیا ہے۔ بچّوں کو اچھا انسان بنانے کے لئے پہلے آپ خود اچھے انسان بنیں۔ بچے جب اچھے انسان ہوں گے تو وہ ڈاکٹر، انجنیئر، پائلٹ اور بزنس مین ہو کر بھی اچھے ہی رہیں گے۔!

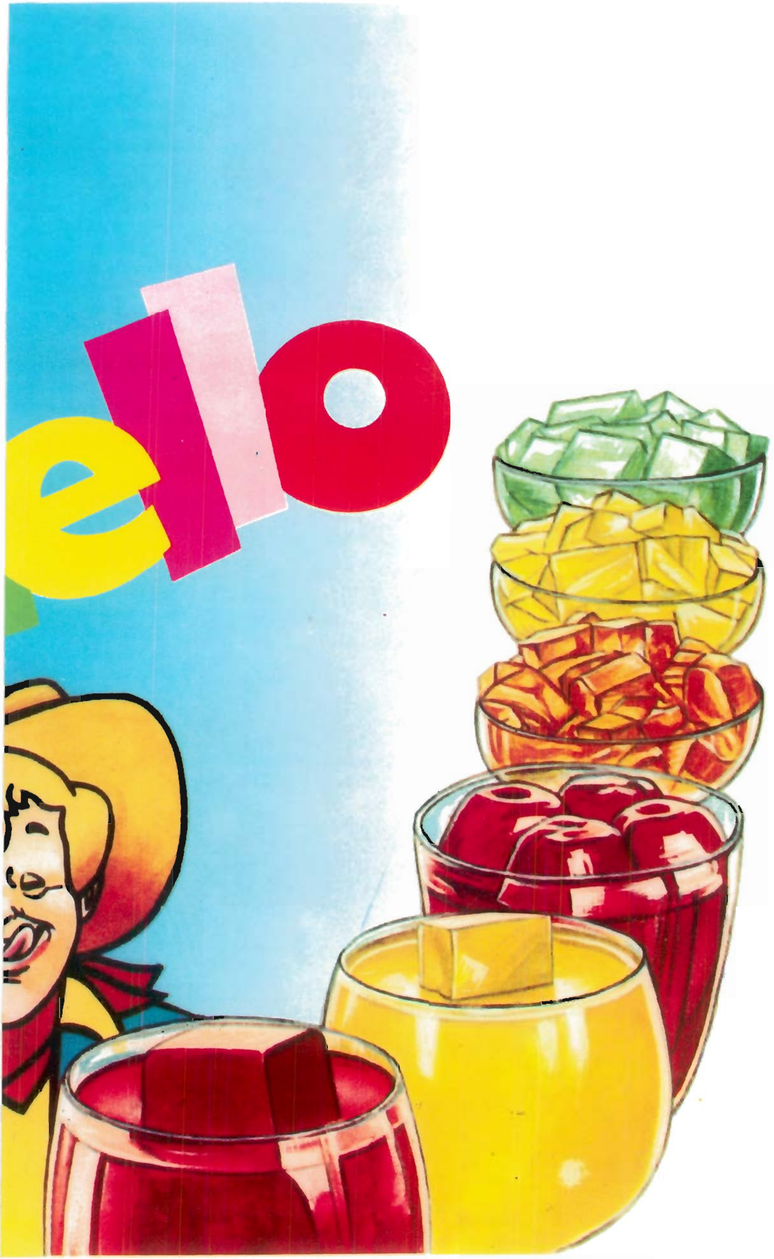
ello

اپنے دانتوں کو مزے سے صاف کیجئے

کرسٹل کے تین ذائقے، تینوں مزے دار
کرسٹل ریڈ جیل میں چیری، گرین جیل میں
منٹ اور کرسٹل وہائٹ میں منٹ فریش۔

کرسٹل سے برش کیجئے، ٹوتھ پیسٹ کا مزا
لیجئے دانت ہمیشہ صاف، چمکدار اور کیڑا
لگنے سے محفوظ۔

Crystal

سانس خوشگوار، دانت چمکدار

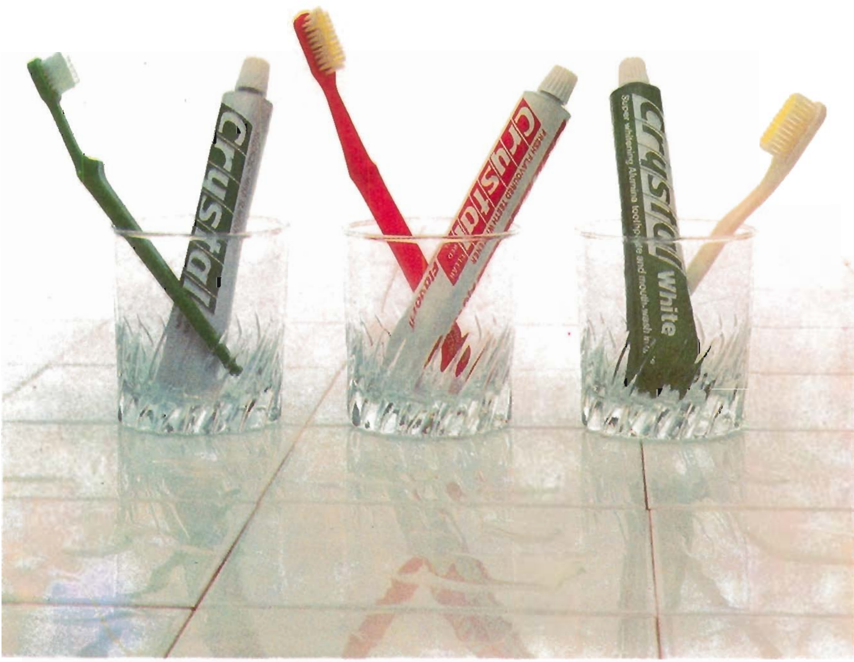

جس کی خوشبو بھی پیاری
جس کی لذّت بھی پیاری
جو ہے سب کی پسند
میری مُٹھی میں بند
ہے کیا... بتا دو نا!
ناز
پان مصالحہ
NAZ
ASHRAF PRODUCTS.
P.O. Box No. 3546 KARACHI. CABLE: TWO-IN-ONE

The Perfect Combination
AHMED'S
Tomato Ketchup
AHMED
Taste of the tastiest tomatoes
—Ahmed Tomato Ketchup.